تزکیۂ احسان اور اکابرِ تبلیغ

از

حضرت قطب الدین ملّا صاحب دامت برکاتہم
ایم اے، بی ایڈ

مجاز بیعت حضرت اقدس مولانا محمد منظور نعمانی قدس اللہ سرہ العزیز
و مجاز بیعت حضرت مولانا مطیع الرحمٰن صاحب قاسمی دامت برکاتہم
و مجاز بیعت حضرت پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

ناشر
وابستگان خانقاہ محمودیہ
باشبان ہائی اسکول کے پیچھے، بھینڈی بازار، بیلگام۔ ۵۹۰۰۰۲

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

کتاب کا نام	:-	**تزکیہ واحسان اور اکابرِ تبلیغ**
مصنف	:-	قطب الدین ملاّ - بیلگام (کرناٹک)
دوسرا ایڈیشن	:-	ستمبر ۲۰۱۱ء - شوال ۱۴۳۲ھ
تعداد	:-	۷ ہزار
کمپوزنگ	:-	مولانا محمد آصف انعامی
طباعت	:-	کاکوری آفسیٹ پریس لکھنؤ

قیمت: Rs. 50/-

﴿ ملنے کے پتے ﴾

۱) خانقاہ نعمانیہ مجددیہ محمداپور، پوسٹ نیرل، تعلقہ کرجت، ضلع رائے گڑھ (مہاراشٹر)

۲) الفرقان بک ڈپو 144/31 نظیر آباد لکھنؤ-۲۲۶۰۱۸

۳) محمد حنیف صدیقی، بھارت پائپس، مسجد قبا کامپلیکس، آزاد گلی

BELGAUM - 590002 - بیلگام

Mobile: 09448635126

ناشر

وابستگانِ خانقاہِ محمودیہ

باشیبان ہائی اسکول کے پیچھے، بھینڈی بازار بیلگام-۵۹۰۰۰۲

انتساب

(الف) بانی تبلیغ **حضرت مولانا محمد الیاس صاحب** دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(جن کی شورشِ پرسوز نے امت کو خوابِ ناز سے جگایا۔

شورشِ عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خوابِ ناز میں)

(ب) حضرت جی ثانی **حضرت مولانا محمد یوسف صاحب** رحمۃ اللہ علیہ

(جنہوں نے ثابت کردیا کہ ـــــــ

یقیں محکم عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں)

(ج) حضرت جی ثالث **حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب** رحمۃ اللہ علیہ

(جنہوں نے راہِ اعتدال سے امت کی رہنمائی فرمائی۔

درکفِ جامِ شریعت در کفِ سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن)

(د) آغازِ تحریک سے آج تک کے تمام **مبلغین ومجاہدین**

(جنہوں نے جہد وقربانیوں کی ایک نئی داستان مرتب کی

خورشیدِ جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں
اے پیکرِ گل کوششِ پیہم کی جزاء دیکھ)

کے نام اس تالیف کو منسوب کرتا ہوں۔

عبدِ ضعیف
قطب الدین ملاّ
بیلگام

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبیست

حکمتِ یونانیاں را خواندۂ
حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

نفس نتواں کشت الا ظلِ پیر
دامنِ آں نفس را سخت گیر

فہرست

عنوان	صفحہ
سخنِ اوّلیں	۱۱
تزکیہ واحسان اور اکابرِ تبلیغ	۱۵
دین کا ایک نہایت اہم شعبہ، تزکیہ واحسان	۱۵
دعوت وتبلیغ کا کام مدرسوں کا مخالف نہیں	۱۶
مولانا محمد یوسفؒ کا ارشاد ہم پڑھانے کو بنیادی کام سمجھتے ہیں	۱۶
دعوت وتبلیغ کا کام تصوف کا بھی مخالف نہیں	۱۸
فرائضِ نبوت	۱۸
نورِ ہدایت	۱۹
اسلام پر فتنوں کی یورش	۱۹
حضرت مجدد الف ثانیؒ کی سرگرمیاں	۱۹
حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تصوف کی لائن سے ہی کایا پلٹ دی	۲۱
مجددانہ کوششوں کے ثمرات	۲۱
سلسلۂ صابریہ چشتیہ کی کوششیں	۲۲
غدر کے بعد کے حالات	۲۲
حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور تزکیہ واحسان	۲۳
الیاسی فکر ومزاج پر اثر انداز ہونے والا پس منظر اور اہم عوامل	۲۳
گنگوہ کی صحبتوں کے اثرات	۲۴
اکابر شخصیاتِ اربعہ کا اثر	۲۵

عنوان	صفحہ
جذبۂ حریت اور بیعت جہاد	۲۶
خانقاہی نظام سے وابستگی	۲۶
مجاہدہ وریاضت	۲۷
دینی حمیت	۲۸
جہد ومحنت کے متقاضی میدان	۲۹
عمومی محنت کی طرف توجہ	۳۰
عمومی محنت کے ذریعہ کیا چاہا جارہا تھا؟	۳۰
امت کی اصل بیماری	۳۱
تحریک کا اصل مقصد	۳۱
ظاہر وباطن کی قوتوں کا صحیح مصرف	۳۱
دین اور دین کے بارے میں فکرِ الیاسی کا خلاصہ	۳۲
جہادِ زندگانی میں الیاسی شمشیریں	۳۳
اسلاف سے بے اعتمادی فتنوں کے دروازے کھول دیتی ہے	۳۴
حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور سلوک وطریقت	۳۶
سلسلۂ بیعت	۳۷
مولانا محمد الیاسؒ کا شیخ الحدیثؒ کو بیعت کرنے کا حکم	۳۸
دعوت وتبلیغ اور علم وذکر کا ربط وتعلق	۳۸
علم وذکر کے بغیر، فتنہ وضلالت کا اندیشہ	۳۹
علم وذکر کے بغیر، یہ تحریک سراسر مادیت ہے	۴۰
ذکرِ لسانی ونفلی	۴۱
بیعت کے بعد ذکر کرنا ضروری ہے	۴۲
اپنے مریدوں کو حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا ذکر تلقین کرنا	۴۲

عنوان	صفحہ
ذکر، مشائخ کی نگرانی میں ہو	۴۳
ذاکرین کی نگرانی	۴۵
حضرت جی مولانا محمد الیاسؒ کا ذکر کا معمول واہتمام	۴۶
دعا وانابت الی اللہ	۴۷
تزکیۂ نفس کی فکر، اعتکاف کا اہتمام اور خانقاہی نظام سے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا تعلق	۴۸
حضرت جی دوم حضرت مولانا محمد یوسفؒ اور تزکیہ واحسان	۵۲
حضرت مولانا محمد یوسفؒ کا اپنے والد سے بیعت ہونا	۵۲
حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی خلافت وامارت	۵۲
حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا طریقۂ بیعت	۵۶
ماہِ مبارک میں اعتکاف	۵۷
مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ماہِ مبارک کے معمولات	۵۹
حضرت جی سوم حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ اور تزکیہ واحسان	۶۲
حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ کی بیعت	۶۲
حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کا ذکر کا اہتمام	۶۳
حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے دو چراغ	۶۳
حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کو اجازت وخلافت	۶۴
حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کی امارت وبیعت	۶۴
بیعت وطریقت کے متعلق حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کے بصیرت افروز خیالات	۶۵
حضرت جی مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کا طریقۂ بیعت	۷۰

عنوان	صفحہ
بعدِ بیعت، حضرت جیؒ کی تعلیمات	۷۲
معمولات کی پابندی اور اس کا اہتمام	۷۳
سلوک واحسان کے بارے میں آپ کے مکتوبات	۷۴
بیعت ہونے والوں کے لئے معمولات اور وظائف	۷۸
ذکر کے بارے میں حضرت جیؒ کے خیالات	۸۱
حضرت جیؒ کی فکروں کی وسعت واعتدال	۸۳
پورے دین کی محنت	۸۴
اخلاص	۸۵
دین میں ذکر کی اہمیت	۸۷
ذکر اللہ کی کثرت کا حکم اور اس کی حکمت	۸۷
جہاد میں بھی کثرتِ ذکر کا حکم اور اس کی ضرورت	۸۸
دعوت وتبلیغ اور دینی جدوجہد کے موقع پر کثرتِ ذکر کا حکم	۸۹
مصلح وداعی کیلئے کثرتِ ذکر کی ضرورت	۸۹
اہلِ قلوب اور مقامِ قلبیت	۹۰
جو اللہ کے ذکر اور یاد سے روکے اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا؟	۹۱
ذکر کی مجلسیں	۹۱
حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور مجالسِ ذکر	۹۲
مجالسِ ذکر اور ان کے فوائد	۹۲
مجالسِ ذکر کے مراکز، مساجد اور خانقاہیں ہیں	۹۴
بنگلہ والی مسجد، مرکزِ تبلیغ میں ذکرِ جہر اور مجلسِ ذکر	۹۵
دیگر مشائخ کی مجالسِ ذکر	۹۶

عنوان	صفحہ
تبلیغی اکابر کی طرف سے علماء ومشائخ کی قدردانی	۹۷
حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا نیازمندی کا تعلق سب سے رہا	۹۷
علماء کی خدمت میں استفادہ کی نیت سے جائیں	۹۷
علماء پر اعتراض بہت سخت چیز ہے	۹۷
مبلغین، اہلِ علم وذکر کی صحبت سے مستفید ہوں	۹۸
حضرت تھانویؒ نے بہت بڑا کام کیا ہے	۹۸
حضرت تھانویؒ کے لوگوں سے اور ان کی کتابوں سے استفادہ کیا جائے	۹۸
حضرت مولانا محمد یوسفؒ کو بھی اپنے اکابر سے انتہائی محبت تھی	۹۹
علماء کی خدمت میں حاضری کو عبادت سمجھیں	۹۹
مولانا مدنیؒ کا اٹھ جانا دنیا سے بڑی خیر کا اٹھ جانا ہے	۹۹
مشائخ کے خدام باکمال تھے	۱۰۰
مفتی محمود حسن صاحبؒ اور مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ	۱۰۰
امت بننے کی دعوت	۱۰۲
دین کے تمام حلقوں میں یگانگت پیدا کرنا ہمارا اہم مقصد ہے	۱۰۲
ہماری کوئی علیحدہ جماعت نہیں ہے	۱۰۲
عوام کو علماء سے جوڑنا ہے	۱۰۳
مختلف عصبیتیں زندہ ہوتی ہیں تو امت ٹوٹ جاتی ہے	۱۰۳
امت میں 'امت پنا' لانے کے لئے حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی ایک یادگار تقریر	۱۰۳
دینی محنت کا عالمی مرکز، مسجدِ نبویؐ	۱۰۷
عمومی تعلیم وتربیت طریقۂ نبویؐ کے مطابق ہو	۱۰۷
تمام مسجدوں میں، مسجدِ نبویؐ والے اعمال ہوں	۱۰۷

عنوان	صفحہ
ہماری محنت، نبیؐ والے خاص نقشہ کے مطابق ہو	۱۰۸
مسجد والے مخصوص اعمال سے مسلمانوں کی زندگی میں امتیاز تھا	۱۰۸
مسجدِ نبویؐ، ذکر و تعلیم اور دعوت کا مرکز تھی	۱۰۹
دعوتی سرگرمیاں	۱۱۰
دعوتی سرگرمیوں کا ایک جائزہ	۱۱۲
نظام تعلیم	۱۱۳
تحریر و کتابت	۱۱۵
تزکیہ واحسان	۱۱۹
ذکر کا اہتمام	۱۲۱
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ ذکر	۱۲۳
حضرت شیخ ؒ کا خواب، خانقاہوں کے قیام کے بارے میں	۱۲۵
رواں دواں، کارواں	۱۲۷
بنگلہ والی مسجد، امیدوں کا مرکز	۱۲۷
فہرست ماخذ و مراجع	۱۲۸

رابطہ کیلئے فون نمبرات

۱) حضرت قطب الدین ملا دامت برکاتہم
Mobile : 09341107199
web site : www.apniislah.com
E-mail : qutbuddinmulla@yahoo.co.in
qutbuddinmulla@yahoo.com

۲) محمد حنیف صدیقی Mobile : 09448635126

۳) نوشاد ملا Mobile : 09341100348

﴿ سخنِ اوّلین ﴾

اللہ تعالیٰ کی رحمت جب اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو وہ ان کی ہدایت کے اسباب کو ظاہر کر دیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت اسی کے لئے ہوتی ہے۔ اور وہ خدا کے بندوں کو خدا کی طرف بلاتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ کے ختمِ نبوت کے صدقہ میں یہ کام امتِ محمدیہؐ کے ہر فرد کے ذمہ آ گیا۔ اور بالخصوص علماء و مشائخ اس کے اصل اہل اور ذمہ دار ہیں۔

دین کی دعوت اور اس سلسلہ کی محنت کے فضائل قرآن و حدیث میں آئے ہیں۔ اور علماء و مشائخ کے اقوال بھی ملتے ہیں۔ اس کا انکار ''حضورؐ کے نظامِ دعوت'' کا انکار ہے۔ اسلئے دعوت و تبلیغ کا یہ عظیم کام غیر ضروری اور نئی تعبیرات کا محتاج نہیں۔ اس کی اپنی عظمت و اہمیت ہے۔

مبارک ہیں وہ انسان جن کو اللہ ہی نے اس مبارک محنت میں لگنے کی توفیق دی ہے، اسلئے اپنے ضعف و کمزوری اور اپنی نا اہلی کے باوجود، شکر گذاری کے جذبہ کے ساتھ اور کثرتِ استغفار کے ساتھ کام میں پوری تندہی کے ساتھ لگے رہنے کی ضرورت ہے۔

جن حضرات کو اللہ کی طرف سے دعوت و محنت کی توفیق ملی ہے ان کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ کام کے نہج کو اور اس کو نوعیت و نزاکت کو سمجھنے کی فکر و کوشش کریں۔ ان کے قول و فعل سے کام پر کسی طرح کی زد نہ پڑے۔ ہمارا برتاؤ بھی ٹھیک ہو اور ہمارے بول بھی ٹھیک ہوں۔

جب کوئی کام پھیلتا ہے تو اس کام کا اپنی نہج پر اور اصولوں پر باقی رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولہ دامت برکاتہم فرماتے ہیں ——

''عروج کے زمانہ میں اور استقبال کے زمانہ میں جس طرح کام ترقی کرتا ہے، اندر غرور بھی پیدا ہوتا ہے کام کرنے والوں میں اور یہ ہے مصیبت۔ مال کا

غرور، عبادت کا غرور، سب چیزوں کا غرور ہوتا ہے۔ جیسے کھانے کی چیزیں ہضم ہوتی ہیں تو بدن میں قوت دیتی ہیں۔ ہضم نہ ہو تو بدہضمی ہوتی ہے۔ ایسے ہی دین کے کام میں بھی بدہضمی ہوتی ہے کہ غرور پیدا ہوتا ہے۔ اور غرور کے بعد آپس میں الفت ومحبت اور جوڑ ختم۔'' (الفرقان اپریل ۲۰۱۱ء)

اس لئے میدانِ عمل میں سرگرم رہنے والوں کے لئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ کام کو ان سے سمجھا جائے جن سے اللہ نے کام لیا ہے۔ امت کے درد وغم اور فکر و کڑھن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس مبارک کام اور محنت کو حضرت مولانا محمد الیاسؒ پر کھولا۔ لیکن ان کی احتیاط کی حد کو ان کے اس قول سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ــــــ

''میری حیثیت ایک عام مومن سے اونچی نہ سمجھی جائے، صرف میرے کہنے پر عمل کرنا بددینی ہے۔ میں جو کچھ کہوں اس کو کتاب وسنت پر پیش کر کے اور خود غور وفکر کر کے اپنی ذمہ داری پر عمل کرو۔ میں تو بس مشورہ دیتا ہوں۔

پھر آگے فرماتے ہیں ــــــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے تھے کہ 'تم نے میرے سر بہت بڑی ذمہ داری ڈالدی ہے، تم سب میرے اعمال کی نگرانی کیا کرو' ــــــ میری بھی اپنی دوستوں سے بڑے اصرار والحاح سے یہ درخواست ہے کہ وہ میری نگرانی کریں۔ جہاں غلطی کروں وہاں ٹوکیں اور میری رشد وسداد کے لئے دعائیں بھی کریں''۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس ص ۱۶۹)

اس لئے محنت کرنے والوں کیلئے جہاں محنت کرنا ضروری ہے وہیں ڈرتے رہنا بھی ضروری ہے۔ اور کام کرنے والوں کیلئے اپنے اکابرین کی فکروں کا ان کی منشاء کا اور ان کی وسعتِ نظر کا سمجھنا بھی ضروری ہے تاکہ کام اپنے نہج پر باقی رہے۔

اس کام میں بڑی وسعت ہے۔ اور ہمیں وسعتِ قلبی کے ساتھ چلنا ہے۔ انیسویں صدی کے نصفِ اول میں بعض اہل قلم نے اپنے مضامین اور کتب میں اپنے قلم کو کچھ اس طرح چلایا کہ امت میں (الف) علماء پر اعتراض کرنے والے پیدا ہوئے اور (ب) اسلاف سے بے اعتمادی پیدا ہوئی۔ اس طرح آزادروی اور خودرائی کی فضا بننے

لگی اور (ج) ذکر وتصوف کے بارے میں لکھا گیا کہ یہ زہر تھا جو امت کو تریاق سمجھ کر پلایا گیا ــــــ اس طرح مدرسہ، خانقاہ وغیرہ کی نفرت اور بے وقعتی امت میں پیدا ہونے لگی۔ اس وقت کے اکابر نے اس طرف پوری توجہ فرمائی کہ امت اس طرح کے فتنوں کا شکار نہ ہو جائے۔ علمائے حق نے اس طرح کے مفسد خیالات کا کھل کر جواب دیا۔ یہ وہ موقع تھا کہ ''تبلیغ ودعوت'' کا کام بھی ابھر رہا تھا۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے بھی خطرہ کو محسوس کیا اور اس کے سدِّ باب کی طرف توجہ فرمائی۔ (الف) جماعت میں نکلنے والوں کو ترغیب دی جاتی رہی کہ کسی مقام پر جائیں اور معلوم ہو کہ وہاں علماء وصلحاء رہتے ہوں تو پہلے ان کی خدمت میں حاضری دیں، ان سے دعا کی درخواست کریں اور ان کا تعاون حاصل کرنے کی پوری فکر کریں۔ اس طرح کی ترغیب اسی لئے دی جاتی تھی کہ علماء وعوام میں دوری نہ پیدا ہو۔ (ب) دوسری طرف اسلاف سے بے اعتمادی پیدا نہ ہو کہ اس طرح خودرائی اور آزادروی کا شکار ہو کر امت دین سے دور نہ ہو جائے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے بڑی صراحت سے فرمایا کہ ــــــ

''اس سلسلہ کا ایک اصول یہ ہے کہ آزادروی اور خودرائی نہ ہو بلکہ اپنے کو بڑوں کے مشوروں کا پابند رکھو جن پر دین کے بارے مین ان اکابر مرحومین نے اعتماد ظاہر کیا، جن کا اللہ کے ساتھ خاص تعلق معلوم ومسلّم ہے۔''

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس ص ۱۲۰)

اور (ج) تیسری طرف اس کی بھی فکر کی گئی کہ امت ''ذکر اللہ'' سے دور ہو کر اپنا تعلق خدا سے توڑ نہ بیٹھے۔ کام کرنے والوں میں علم دین اور ذکر اللہ کی اہمیت پیدا ہو۔ اسلئے فرمایا کہ ــــــ

''آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بے کار ہوگی اگر اس کے ساتھ علمِ دین اور 'ذکر اللہ' کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا۔ بلکہ سخت خطرہ ہے اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر ان دو چیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جدوجہد مبادا فتنہ اور ضلالت کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے۔'' (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس ص ۳۹)

اس طرح حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے پوری قوت سے تعلیم، تزکیہ اور دعوت کو

ایک ساتھ لیکر چلنے کی طرف توجہ فرمائی۔ امت میں یگانگت اور وحدت پیدا کرنے کا یہی واحد طریقہ تھا، جو اس کام کا اصل مقصد تھا۔ بلکہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے امت میں وحدت پیدا کرنے کو اپنی محنت کا اصل مقصد قرار دیا تھا۔ فرماتے ہیں ——

"اپنی اس تحریک کے ذریعہ ہم ہر جگہ کے علماء واہلِ دین اور دنیاداروں میں میل ملاپ اور صلح وآشتی بھی کرانا چاہتے ہیں۔ نیز خود علماء اور اہلِ دین کے مختلف حلقوں میں الفت ومحبت اور تعاون ویگانگت کا پیدا کرنا اس سلسلہ میں ہمارے پیشِ نظر، بلکہ ہمارا اہم مقصد ہے۔ اور یہ دینی دعوت ہی انشاء اللہ اس کا ذریعہ و وسیلہ بنے گی"۔

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس ص۳۹)

اس لئے ہمیں بہت سنبھل کر چلنا ہے تا کہ ہمارے کسی قول وعمل سے کسی قسم کا خلل اور انتشار پیدا نہ ہو۔ اور حضرت مولاناؒ کی توقعات کے مطابق یہ دعوت والا مبارک عمل ہی ان تمام شعبوں میں ربط وتعلق کا سبب وذریعہ بن جائے۔

تو دعوت کے اصل اکابر کی وسعتِ قلبی کو اور ان کی منشاء ومقصود کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ تبلیغ کے ہمارے اکابر ثلثہ (حضرت مولانا محمد الیاسؒ، حضرت مولانا محمد یوسفؒ اور حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ) نے دعوت کے اس عظیم کام کو کیسے سمجھا تھا اور اس کے ذریعہ کیا چاہا تھا اس کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر یہ کتاب تحریر کی گئی ہے۔ اللہ کرے ہماری ان معروضات سے ہماری فکر ونظر کا رُخ صحیح ہو جائے ورنہ آج تک کی تمام محنتوں اور قربانیوں پر پانی پھر جانے کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہم سب کے لئے "دعوت وتبلیغ" والے عظیم کام کی حقیقت کو اور اس کے صحیح خدوخال کو اور اس کی نزاکتوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ

جمعہ ۲۳/جمادی الاخریٰ ۱۴۳۲ھ — عبدِ ضعیف

مطابق ۲۷/مئی ۲۰۱۱ء — قطب الدین ملا

بیلگام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تزکیہ واحسان اوراکابرِ تبلیغ

دین کا ایک نہایت اہم شعبہ، تزکیہ واحسان

دین کا ایک نہایت اہم شعبہ 'تزکیہ واحسان' بالفاظِ دیگر 'سلوک وتصوف' ہے۔ اس کے بغیر بندہ کا دین کامل نہیں ہوتا اور حلاوتِ ایمان نصیب نہیں ہوتی۔ اس کے صحیح وحق ہونے کے بارے میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ——

"قریباً ہزار سال بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت سے امتِ محمدیہؐ کے صالح ترین طبقہ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ 'نورِ یقین' اور 'رابطہ مع اللہ' یعنی 'احسانی نسبت' حاصل کرنے کے لئے صوفیائے کرام کا یہ طریقہ (جس کا نام سلوک وطریقت ہے) اصولاً صحیح اور نتیجتاً کامیاب ہے —— کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ مشاہیر اولیاء امت مثلاً خواجہ معروف کرخی، بشر حافی، سری سقطی، شفیق بلخی، بایزید بسطامی، جنید بغدادی، ابو بکر شبلی، شیخ عبد القادر جیلانی، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ احمد رفاعی، شیخ ابو الحسن شاذلی، خواجہ عثمان ہارونی، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ بہاء الدین نقشبندی —— اور پھر ہمارے اس دوسرے ہزارہ کی گذشتہ تین صدیوں میں خواجہ باقی باللہ، امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور ان کے خلفاء اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور سید احمد شہید (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اور ان جیسے ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد ہیں جو اپنے اپنے وقت میں اس 'نسبت' کے حامل، بلکہ

اس راہ کے امام اور داعی ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے ایک ایک کی صحبت وتربیت سے اللہ کے ہزاروں لاکھوں بندوں کو یہ دولت حاصل ہوئی ہے ــــ جو شخص ان سلسلوں سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ ان بزرگوں کو جو کچھ حاصل ہوا اسی راہ سے حاصل ہوا تھا ــــ پس جس طریقہ نے امت محمدیہؐ میں اتنے کاملین اور اس قدر اصحاب احسان ویقین پیدا کئے ہوں، جن کو بجا طور سے اس امت کا گل سرسبد کہا جاسکتا ہے، اس کے صحیح اور کامیاب ومقبول ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟'' (دین وشریعت ص:۲۴۶)

دعوت وتبلیغ کا کام مدرسوں کا مخالف نہیں:

عام طور پر یہ اعتراض سامنے آتا ہے کہ دعوت وتبلیغ کا مبارک کام مدارس اور خانقاہی نظام کے خلاف ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ جہاں تک مدارس کا تعلق ہے، خود بنگلہ والی مسجد نئی دہلی (یعنی مرکزِ تبلیغ) میں مدرسہ کاشف العلوم چلتا ہے۔ اور ملک کے مختلف صوبہ جات میں کئی مدارس، اکابرینِ تبلیغ کے زیر سرپرستی چلتے ہیں۔ ہمارے قریب نیپانی (ضلع بیلگام) میں 'دارالعلوم نیپانی' کا سنگِ بنیاد خود حضرت جی مولانا محمد انعام الحسنؒ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا تھا۔ اور حضرت مولانا محمد یونس پونویؒ اس کے روح رواں تھے۔ اور اب بھی اس کے چلانے والے سارے کے سارے وہ احباب ہیں جن کا گہرا تعلق، دعوت وتبلیغ کی محنت سے ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا ارشاد، ہم پڑھانے کو بنیادی کام سمجھتے ہیں

ایک دفعہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری نے حضرت جیؒ (مولانا محمد یوسفؒ) سے اپنی درسی مصروفیات کی شکایت کی اور عرض کیا کہ میں پڑھانے سے اس قدر تھک گیا ہوں کہ جی چاہتا ہے

کہ تھوڑے دنوں کے لئے کوئی آدمی مل جائے تو درسی ذمہ داری اس کے سپرد کر کے کچھ دن تبلیغ میں لگادوں تو حضرت جیؒ نے فرمایا ــــ ہرگز نہیں، تبلیغ سے پہلے بھی یہی کام کرنا ہے اور تبلیغ کے بعد بھی یہی کام کرنا ہے۔ لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ ہم مدرسوں کے مخالف ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے۔ ہم پڑھانے کو بنیادی کام سمجھتے ہیں اور حد یہ ہے کہ ہم خود پڑھاتے ہیں۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ پڑھانے کے کام کے ساتھ تبلیغ کو بھی لگائے رکھو۔'' (ملفوظات واقتباسات حضرت جی مولانا محمد یوسف ص ۱۱۳-۱۱۴)

اس محنت کے ذریعہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ یہ چاہتے تھے کہ علومِ دینیہ کے ایک ایک جز کی اہمیت وعظمت بھی دلوں کے اندر ہو۔

''ایک دفعہ علماء کے تعلیمی حلقے کے ختم پر فرمایا جس میں حضرت مولانا عبدالحق مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے کہ ــــ ہم یہ نہیں چاہتے کہ بخاری پڑھانے والوں کو ''التحیات'' یاد کرانے پر لگادیں، مگر یہ ضرور چاہتے ہیں کہ التحیات یاد کرانے کی بخاری پڑھانے والوں کے نزدیک بھی انتہائی اہمیت ہو۔ اس لئے کہ یہ بھی حضورؐ کے علوم میں سے ایک علم ہے۔ اسے غیر اہم سمجھنے والا کہیں کا نہ رہے گا اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ تعلیم کا یہ درجہ بھی ماہرین بخاری کی نگرانی میں ہو''۔

(تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ص ۵۳)

مندرجہ بالا سطور سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ان حضرات کے نزدیک تبلیغی محنت سے پورے دین کو اور دین کے ہر ہر جز کو زندگی میں لانے کی بات تھی، جو اس وقت نظروں سے اوجھل ہورہی ہے۔

دعوت وتبلیغ کا کام تصوف کا بھی مخالف نہیں

فرائضِ نبوت:

اب رہا تصوف کا معاملہ —— یہ تو فرائضِ نبوت سے ہے اس کا کیونکر انکار ہوسکتا ہے؟

"نبوت کے فرائض: ۱- دعوت وتلاوتِ کتاب ۲- تزکیۂ قلوب و تربیتِ نفوس اور ۳- تعلیم کتاب وحکمت (سنت) ہیں۔

دیکھئے آیۂ کریمہ۔ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (سورۂ جمعہ، آیت ۲، پ ۲۸، ع ۱۱)........ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ سے مراد جیسا کہ مفسرین نے تصریح کی ہے، دعوت بالقرآن ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیت - فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ○

(سورۂ ق، آیت ۴۵، پ ۲۶، ع ۱۷)

ترجمہ: (پس نصیحت دے ساتھ قرآن کے اس شخص کو کہ ڈرتا ہے ڈرانے میرے سے)، مؤید ہے"۔ (تذکرۂ شیخ ص:۱۱۰)

تو دعوت، تعلیم اور تزکیہ یہ فرائضِ نبوت ٹھہرے۔ تمام اکابرینِ امت کا ان تینوں شعبوں سے برابر تعلق رہا ہے۔ یہاں اس وقت صرف یہ بتانا ہے کہ اس شعبۂ تصوف سے اکابرینِ تبلیغ کا کتنا تعلق رہا ہے؟ اور وہ کون سی اساس و بنیاد ہے جس نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ (۱۳۰۳ھ - ۲۰؍رجب ۱۳۶۳ھ، مطابق ۱۲؍جولائی ۱۹۴۴ء) کی ذہنی ساخت وپرداخت میں کلیدی رول ادا کیا ہے، اس کو سمجھنے کے لئے ہمیں ماضی کی طرف پلٹنا پڑیگا۔ ماضی کی اس تاریخ اور اس پس منظر کے دیکھے بغیر کوئی رائے قائم کرنا مستطاب نہ ہوگا۔

نورِ ہدایت:

توحید وایمان کی وہ روشنی جس کے حامل —— سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت سے، دورِ نبویؐ میں —— حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے اور اسی روشنی کی وجہ سے وہ آسمانِ دنیا کے چمکتے اور دمکتے ستارے بنے تھے اور جن کی اقتدا کو ہدایت کی روشنی کا معیار وانحصار قرار دیا گیا۔ اور جن کی زندگیوں کی تابناکیوں سے آج بھی ظلمت کا اندھیرا دور ہوسکتا ہے —— وہ روشنی حجازِ مقدس سے وطنِ غریب، دیارِ ہند تک بھی پہونچی۔ اور یہاں کے بلاشبہ کروڑوں اربوں لوگوں کے دلوں کو منور کرگئی۔

اسلام پر فتنوں کی یورش:

لیکن گردشِ لیل ونہار کے ساتھ اس مسافر پر وہ وقت بھی آیا کہ ——

"مقدس اسلام پر جب پورے ایک ہزار برس گذرے اور اس نے الف ثانی (ہزارۂ دوم) میں قدم رکھا اس وقت خاص کر ہندوستان میں عرب کے اس مسافر پر ہر چہار طرف سے فتنوں کی یورش تھی۔ ایک طرف سلطنت کا الحاد اور اس کی ہندو نوازی بلکہ ہندویت پرستی اس کو پامال کر رہی تھی۔ دوسری طرف علماء سوء کی دسیسہ کاریاں اس میں رخنے ڈال رہی تھیں۔ اور تیسری طرف "متصوفہ باطنیہ" کی ہوائی پرستیاں اس کی روح کو مسخ کر رہی تھیں۔ اور لاوارث اسلام اس طرح اس "تثلیث" سے مغلوب کیا جارہا تھا۔ اس کا ضعف واضمحلال، اس کی غربت وکسمپرسی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔" (حضرت نعمانی، تذکرۂ مجدد الف ثانی ص:۱۳۸)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی سرگرمیاں:

"یہ تھے وہ حالات جن کے درمیان مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو کھڑا کیا

گیا اور جن کی اصلاح وتبدیلی کا عظیم الشان کام آپ کے سپرد کیا گیا۔ اس کی طرف خود حضرت مجدد قدس سرۂ نے بھی اپنے مکاتیب میں متعدد جگہ اشارے فرمائے ہیں''۔ (تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۱۴۱)

اللہ تعالیٰ کو آپ سے ''احیائے ملت'' اور ''اقامتِ دین'' کا کام لینا تھا۔ جس کے بارے میں حضرت نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔۔۔

''فی الحقیقت آپ کا اصل کام یہی تھا کہ اسلامی دنیا کی کایا پلٹ دیں اور حق جو باطل کے پردوں میں مستور ہو گیا تھا اس کو اصلی صورت اور اس کی اصلی شان میں دنیا کے سامنے رکھ دیں۔ کلمۂ الٰہی پھر غالب ہو اور کفر و بدعت کے غلیظ بادل اسلام کے افق سے یکسر چھانٹ دیئے جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی ہزاراں ہزار رحمتیں نازل ہوں آپ کی روحِ پاک پر کہ آپ نے مجددانہ عزیمت اور مجاہدانہ جد و جہد کے ساتھ اس کام کو انجام تک پہنچایا اور دیکھنے والوں نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جس کی کوئی امید نہ کی جا سکتی تھی''۔ (ایضاً ص ۱۴۲)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ۔۔۔

''اس مجددِ دین وملت نے کس طرح ان حد سے زیادہ بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالا اور بلا کسی مادی طاقت اور حکومتی اقتدار کے کن تدابیر سے پورے ملک کی فضا کو بدل کے رکھ دیا اور حتیٰ کہ خود حکومت میں بھی آپ سے وہ انقلاب ہو گیا جو بظاہر صرف انقلابی ذرائع سے ہی ہو سکتا تھا بلکہ بسا اوقات زبردست ''انقلابی تحریکوں'' سے بھی ایسا انقلاب رونما نہیں ہوتا''۔ (ایضاً ص: ۱۴۲)

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تصوف کی لائن سے ہی کایا پلٹ دی:

پھر ایک جگہ حضرت نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔۔۔

''امام ربانی نے یہ سارا کام وقت کے ایک شیخ اور صوفی کی حیثیت سے کیا اور اس سلسلۂ تصوف ہی کو اپنی اس پوری مہم کا ذریعہ بنایا، جس کے خلاف زبانی اور قلمی جہاد کرنا آج کے بہت سے 'مجاہدینِ لسان وقلم' کا محبوب ترین مشغلہ ہے ... ''تجدید واحیاء دین'' کا کام حکومتی انقلاب کے سیاسی منصوبوں اور پروگراموں کے بغیر بھی اور پولیٹیکل پارٹیوں کے طرز کی کوئی دینی پارٹی بنائے بغیر بھی ہو سکتا ہے، اور ہوا ہے۔ اور ایسا ہوا ہے کہ ''تجدید واحیائے دین'' کی پوری تاریخ میں اتنے کامیاب انقلاب کی مثال ملنی مشکل ہے''۔ (تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص: ۱۰-۱۱)

مجددانہ کوششوں کے ثمرات:

ان مجددانہ کوششوں سے مرتب ہونے والے ثمرات کے بارے میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں۔۔۔

''ایک طرف اکبر کے تخت پر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر متمکن ہوتا ہے، دوسری طرف حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خلفاء وتلامذہ کا وہ سلسلہ وجود میں آتا ہے جو روحانی اور باطنی طور پر اسی سلسلہ سے وابستہ اور منسوب ہے، اور جس نے اشاعت و ترویجِ کتاب وسنت، ان کی تفہیم وترجمانی اور ان کے سلسلۂ درس و تدریس، مدارس کے قیام، تزکیہ وتربیتِ باطنی، اصلاحِ عقائد ورسوم کے عظیم الشان کام، اور پھر آخر میں جہاد وسعی اعلاء کلمۃ اللہ کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ ہندوستان میں اسلام کو قائم اور شجرِ اسلام کو پھلتا پھولتا رکھا بلکہ اس کو عالمِ اسلام میں دینی علوم (بالخصوص علمِ حدیث) اور فکر و

دعوت اسلامی کا مرکز بنا دیا"۔ (تاریخ دعوت وعزیمت چہارم ص:۱۹۰)

اس سلسلہ میں آگے چل کر ممتاز ترین علماء ومحدثین، ناشرین کتاب وسنت اور داعیان دین پیدا ہوئے۔ جو ہی مجددی فکر وجہد، اتباع سنت اور اخلاص وللّٰہیت اپنے سینوں میں رکھتے تھے۔ اسی مجددی سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور سراج الہند شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے بعد ان حالات کو یکسر بدلنے کی تمنا میں مجاہدانہ وسرفروشانہ جذبات کے ساتھ شہید ہونے والے حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے خلف، سید عبدالرحیم ولایتیؒ کے ذریعہ یہ جذبات درونِ سینہ، حضرت نور محمد جھنجھانویؒ تک پہنچے۔

سلسلۂ صابریہ چشتیہ کی کوششیں:

دوسری طرف ہندوستان کے طول وعرض میں ایمان وعمل کی بہار لانے میں سلسلۂ صابریہ چشتیہ نے بڑا کام کیا۔ اور اس سلسلہ میں بڑے نامور مشائخ، عارف ومحقق ومصلح پیدا ہوئے۔ مثلاً حضرت احمد عبدالحق ردولویؒ، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ وغیرہ۔ پھر یہ سلسلہ حضرت نور محمد جھنجھانویؒ تک پہنچ جاتا ہے اور یہاں چاروں سلسلوں کا امتزاج ہو جاتا ہے۔

غدر کے بعد کے حالات:

پھر غدر اور غدر کے بعد رونما ہونے والے حالات، سیاسی میدان میں شکست خوردگی، مغربی تہذیب وتمدن کی یلغار، ملت اسلامیہ کی بے دینی وجہالت، معاشی ابتری، یہ وہ حالات تھے جن میں ارتداد کے پھوٹ پڑنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس موقع پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (۱۲۳۰ھ-۱۳۱۷ھ) کے نالہ ہائے نیم شبی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۲۴۴ھ-۱۳۲۳ھ) کی فکری بصیرت، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۲۴۸ھ-۱۲۹۷ھ) کی تعلیمی خدمات اور شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ (۱۲۶۸ھ-۱۳۳۹ھ) کی مجاہدانہ سرگرمیاں، ان ساری مساعی کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور تزکیہ واحسان

الیاسی فکر ومزاج پر اثر انداز ہونے والا پس منظر اور اہم عوامل:

"احیائے دین" کے سلسلہ کا یہ طویل ترین باب ہے جس میں جذبۂ حریت ہے، حمیتِ دینی ہے، جہد وقربانیوں کی داستانیں ہیں۔ وہی سب کچھ تھا جو صحابۂ کرامؓ کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں۔ ان عظیم ہستیوں نے میدانِ عمل کو سرگرم رکھنے میں صحابہؓ کے ایسے ہی جذبات سے حرارت پائی تھی۔ یہ وہ ماحول تھا جس میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ (۱۳۰۳ھ-۱۳۶۳ھ) نے آنکھیں کھولیں۔ شخصیتیں نہ آسمان سے برستی ہیں نہ زمین سے اگلتی ہیں۔ حکمتِ خداوندی ان کو وجود بخشتی ہے۔ پھر ماحول کے اثرات اور پس منظر ان کی ذہنی ساخت، ان کے فکر وعمل اور ان کی تگ ودو میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔

> "مولانا الیاسؒ نے جس خاندان میں آنکھیں کھولیں وہ خاندان دینداری کا گہوارہ تھا۔ مرد تو مرد، عورتوں کی دینداری، عبادت گزاری، شب بیداری، ذکر وتلاوت کے قصے اور ان کے معمولات اس زمانہ کے پست ہمتوں کے تصور سے بلند ہیں......... اس وقت گھر کے باہر اور اندر کی مجلسیں اور صحبتیں حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے قصوں اور چرچوں سے گرم تھیں۔ ان بزرگوں کے واقعات مردوں اور عورتوں کی زبانوں پر تھے۔ مائیں اور گھر کی بیٹیاں بچوں سے طوطے مینا کے قصوں کے بجائے یہی روح پرور واقعات سناتیں...... مولانا الیاس صاحبؒ نے

ایک روز مجھ (مولانا ابوالحسن علی ندویؒ) سے فرمایا کہ آپ کو مجھ سے زیادہ سید صاحبؒ کے حالات کا علم نہ ہوگا۔ آپ کی کتاب ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' سے میری معلومات میں اضافہ نہیں ہوا''۔

(حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ص:۳۹۔۴۰)

تو حضرت مولانا الیاسؒ کو اپنے گھر کے اردگرد کے ماحول میں مجددی، ولٰلہی اور حضرت شہیدؒ والی فکر ونظر حاصل ہوئی اور ان کے جذباتِ روحانی وقربانی کی آبیاری ہوئی اور ـــــ

''دین کی حمیت (جس نے آگے چل کر منظم شکل اختیار کرلی) آپ کی فطرت میں ودیعت تھی۔ دینی ماحول اور بزرگوں کے واقعات وروایات نے اس چنگاری کو ہوا دی''۔ (ایضاً ص:۴۴)

گنگوہ کی صحبتوں کے اثرات:

مولانا الیاسؒ کا لڑکپن کا زمانہ گنگوہ میں گذرا۔ وہاں کے بارے میں حضرت مولانا علی میاںؒ تحریر فرماتے ہیں ـــــ

''گنگوہ اس وقت صلحاء وفضلاء کا مرکز تھا۔ ان کی اور خود حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کی صحبت اور مجالس کی دولت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو شب وروز حاصل تھی۔ دینی جذبات کی پرورش، نیز دین کی سمجھ اور اس کا سلیقہ پیدا کرنے میں ان کیمیا اثر صحبتوں اور مجالس کو جو دخل ہے، وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ مولانا کی دینی وروحانی زندگی میں اس ابتدائی ماحول کا فیض برابر شامل رہا۔ انسان کی زندگی میں مقام وماحول کا اثر قبول کرنے کا جو بہترین زمانہ ہوسکتا ہے، مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا وہ زمانہ گنگوہ میں گزرا۔ جب گنگوہ آئے تو دس گیارہ سال کے بچے تھے۔ جب ۱۳۲۳ھ میں مولانا گنگوہیؒ نے وفات پائی تو

بیس سال کے جوان تھے۔ گویا دس برس کا عرصہ مولانا (گنگوہیؒ) کی صحبت میں گزرا''۔ (حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ص:۵۳)

علماء وصلحاء ومشائخ کی صحبت ہر دور میں موثر رہی ہے۔ انہیں صحبتوں سے حرارت ایمانی پیدا ہوتی ہے اور ایمانی تقاضوں کو پورا کرنے کی استعداد اور حوصلہ ملتا ہے۔ گنگوہ کے اس زمانۂ قیام میں آپ کو اور بھی متعدد حضرات علماء وصلحاء کی مجلس میں بیٹھنے اور ان کی باتیں سننے کے مواقع ملتے تھے اور اس کا بڑا اہتمام تھا۔ آپ کے استاد، مربی اور بھائی مولانا یحییٰ صاحبؒ (م-۱۰؍ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ) تھے۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے ـــــ

''جب حضرت گنگوہیؒ کے خاص فیض یافتہ اور تعلیم یافتہ، علماء گنگوہ آتے تو بعض اوقات بھائی میرا درس بند کر دیتے اور کہتے تمہارا درس یہ ہے کہ تم ان حضرات کی صحبت میں بیٹھو اور ان کی باتیں سنو''۔ (ایضاً ص:۴۴)

اکابر شخصیاتِ اربعہ کا اثر:

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے علاوہ دیگر بزرگوں سے بھی حد درجہ نسبت تعلق ومحبت تھی۔ اور وہ ان سے برابر استفادہ کرتے رہتے تھے۔ حضرت علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں ـــــ

''اس عرصہ میں دوسرے مشائخ اور مولانا گنگوہیؒ کے دوسرے خلفاء سے عقیدت مندی اور صحبت واستفادہ کا تعلق برابر قائم رہا۔ شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ اور مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے ایسا تعلق تھا کہ فرماتے تھے یہ حضرات میرے جسم وجان میں بسے ہوئے تھے اور ان حضرات کو بھی مولانا کی امتیازی خصوصیت کی وجہ سے خصوصی محبت اور لحاظ تھا''۔ (ایضاً ص ۴۹)

انہیں بزرگوں کی صحبت کا نتیجہ تھا کہ طبیعت میں وہ سکینت اور یکسوئی و مراقبہ کی ایک وہ کیفیت طاری رہتی جو عموماً کسی منتخب شخصیت کے ذریعہ بڑے کام سے پہلے ان کی زندگی کا وطیرہ ہوا کرتی ہے۔ مولانا علی میاں ندویؒ رقم طراز ہیں——

"گنگوہ کے قیام کے دوران میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد زیادہ سکوت اور مراقبہ طاری رہتا تھا۔ شاید سارے دن میں کوئی ایک بات کرتے ہوں"۔

(حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ص: ۴۸)

"نیز اس زمانہ میں نوافل کا بے حد زور تھا۔ مغرب کے بعد عشاء سے کچھ پہلے تک نوافل میں مشغول رہتے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۰/۲۵ سال کے درمیان تھی"۔ (ایضاً ص: ۴۸)

جذبۂ حریت اور بیعتِ جہاد:

آپ نے اپنے بھائی مولانا محمد یحیٰ صاحبؒ سے بھی تحصیل علم کیا۔ اور ۱۳۲۶ھ میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کے حلقۂ درس میں شرکت کے لئے دیو بند تشریف لے گئے اور ترمذی و بخاری شریف کی سماعت کی۔ آپ کو حضرت شیخ الہندؒ سے بڑا تعلق تھا۔ ان کی مجاہدانہ و سرفروشانہ سرگرمیوں سے بڑے متاثر تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ہندوستان سے انگریزی حکومت کے خاتمہ کے لئے "تحریک ریشمی رومال" جاری کر رکھی تھی۔ مگر مخالفوں کی مخبری پر یہ خطوط پکڑے گئے جس کی وجہ سے آپ کو مالٹا جیل میں پانچ سال تک مصائب برداشت کرنے پڑے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے سینہ میں بھی مجاہدانہ جذبات موجزن تھے۔ سی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے شیخ الہندؒ کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی۔

خانقاہی نظام سے وابستگی:

جیسا کہ ہم نے شروع میں عرض کیا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جو

عظیم انقلابی اقدامات کئے وہ بظاہر خانقاہی نظام کے ذریعہ ہی انجام دئے۔ اللہ تعالیٰ کو جس سے کوئی بڑا دینی کام لینا ہوتا ہے اس کو شروع ہی سے تصفیۂ قلب، تزکیۂ نفس اور تعلق مع اللہ اور قلبی و روحانی قوت کے حاصل کرنے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ اور چونکہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے بھی اللہ تعالیٰ کو کچھ عظیم انقلابی کام لینا تھا، اس لئے آپ کو بھی ایسے مواقع میسر آئے۔ حضرت گنگوہیؒ، قطب الارشاد کے مقام پر فائز تھے ان کی توجہ اور دعائیں بھی رنگ لائیں۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو ان سے بے حد محبت اور انسیت تھی۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں——

"مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بالعموم بچوں اور طالب علموں کو بیعت نہیں کرتے تھے۔ فراغت اور تکمیل کے بعد اس کی اجازت ہوتی تھی۔ مگر مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے غیر معمولی حالات کی بناء پر اور ان کی خواہش ودرخواست پر بیعت کرلیا"۔

(حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ص: ۴۴)

۱۳۲۳ھ میں حضرت گنگوہیؒ کا وصال ہو گیا۔ ان کے وصال کے بعد آپ نے شیخ الہندؒ سے بیعت کی درخواست کی۔ شیخ الہندؒ نے آپ کو مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (صفر ۱۲۶۹ھ دسمبر ۱۸۵۲ء- ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ) سے بیعت ہونے کو ارشاد فرمایا۔ چنانچہ آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے بیعت کی۔ اور انہیں کی نگرانی ورہنمائی میں منازلِ سلوک طے کئے۔

مجاہدہ وریاضت:

۱۰ر ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ میں مولانا محمد یحیٰ صاحب کا انتقال ہوا تھا۔ اس کے دو سال بعد مولانا محمد صاحب (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے بڑے بھائی) نے بھی ۲۵ر ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ میں انتقال فرمایا۔ مولانا محمد صاحبؒ کی وفات کے

بعد آپ نظام الدین آ گئے۔ نظام الدین کے قیام کے دوران حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے حالات کو بیان کرتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں ـــــ

"یہ زمانہ مولانا کے بڑے مجاہدہ وریاضت کا تھا۔ یہ ذوق موروثی اور فطری تھا۔ نظام الدین کے قیام کے زمانہ میں اس کا زیادہ ظہور ہوا۔ خلوت وریاضت کی طرف اس زمانہ میں خاص میلان تھا۔ حاجی عبدالرحمٰن صاحب راوی ہیں کہ عرب سرا کے پھاٹک حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی قدیم عبادت گاہ (ہمایوں کے مقبرہ کے جنوب میں، عبدالرحیم خان خاناں کے مقبرہ اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ کے شیخ حضرت سید نور محمد بدایونی کے مزار کے قریب) پہروں خلوت میں رہتے۔ کھانا دوپہر کا عموماً وہاں چلا جاتا، رات کا مکان پر آ کر کھاتے"۔ (حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ص:۶۰)

دینی حمیت:

کسی رجل کار کی کرنے کی جو عمر ہوتی ہے، اس عمر میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ جب پہنچے تو ان کے سامنے وہی ناگفتہ حالات، وہی خطرات، وہی باطل شورشیں، جس کا سامنا حضرت مجدد الف ثانیؒ کو اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو اور حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ وحضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو اپنے اپنے وقت میں کرنا پڑا تھا، قریباً اسی طرح کا منظر حضرت مولانا الیاسؒ کے سامنے تھا۔

"مولانا (الیاسؒ) کی فطرت میں دین کی حمیت وغیرہ کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ان کی اس دعوت کی ایک بڑی محرک طاقت اور ان کی اس سوز ودردمندی اور بیقراری کی ایک بڑی وجہ جوان کو کسی کل اور کسی پل چین نہیں لینے دیتی تھی، دین کا یہی بڑھتا ہوا تنزل وانحطاط اور کفر کا روز افزوں غلبہ واقتدار تھا جس کو ان کی حساس اور بیدار فطرت اور ان کا غیور

مزاج ایک لمحہ کے لئے برداشت نہیں کر سکتا تھا"۔

(حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ص:۲۰۹)

جہد ومحنت کے متقاضی میدان:

مغربی استعماریت، ہندو قومیت کی احیائی تحریکیں، تیز رفتاری کے ساتھ بدلتے ہوئے ملک کے سیاسی حالات اور پھر مسلمانوں کی زبوں حالی ـــــ کئی میدان تھے جہد ومحنت، فکر وکاوش کے متقاضی ـــــ ان حالات میں چو طرفہ جنگ اور ان حالات سے نبرد آزما ہونا آسان کام نہیں تھا۔ لیکن ان حالات میں خدا کی مشیئت اور حکمت بھی کام کر رہی تھی۔ غیر مسلم عیسائی اور ہندی فرقوں سے مناظرے اور اسلامی دعوت کی کوششیں بھی چل رہی تھیں۔ اس موقع پر حاجی عبدالرحمٰن صاحب کی کوششوں کا ذکر مناسب ہوگا کہ عام طور پر ان کی سرگرمیوں سے واقفیت نہیں ہے ـــــ

"حاجی صاحب اٹاوڑ (میوات) کے ایک غیر مسلم بنیا گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں خواب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مولانا محمد صاحب کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ نظام الدین کے مدرسہ میں مولانا محمد صاحب سے قرآن اور دین کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے بیعت کی۔ مولانا محمد صاحب کے زمانہ میں ان کے معتمد خاص اور ان کے دست راست رہے۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے تمام دینی کاموں میں ان کے قدیم ترین رفیق ومعاون تھے۔ مولانا ان کے متعلق نہایت بلند کلمات فرماتے تھے اور اپنی تحریک کا روح رواں سمجھتے تھے۔ آپ میوات کے حکیم وعارف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کی بڑی دولتیں نصیب فرمائی تھیں۔ آپ کا اصلی ذوق غیر مسلموں میں تبلیغ تھا۔ جس میں آپ کو ملکۂ خاص تھا۔ ہزار سے اوپر آدمی آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔

سنگار میں نومسلموں کا ایک مدرسہ قائم کیا جس سے اولاد کی طرح تعلق تھا۔ میوات کے رسوم کی اصلاح آپ کا کارنامہ ہے۔ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ میں انتقال فرمایا"۔ (حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت، ص:۵۹--۶۰)

بدلتے سیاسی حالات میں ایک الگ آزاد اسلامی حکومت کی حمایت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرما رہے تھے۔ اور ہندی مسلمانوں اور ہند میں سرمایۂ ملت کی حفاظت کے لئے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنی پوری جمعیۃ کے ساتھ سرگرم عمل تھے۔ عیسائیوں اور ہندو احیائی تنظیموں سے مناظرے کر کے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ شکست فاش دے چکے تھے۔ علم دین کی حفاظت وترویج کا کام دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور اور ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ہو رہا تھا۔ ان مخدوش حالات میں مسلمانوں کی توبہ وانابت اور رجوع الی اللہ کی پُرسوز کوششیں حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اپنی اپنی خانقاہوں کے ذریعہ فرما رہے تھے۔

عمومی محنت کی طرف توجہ:

لیکن عام مسلمانوں میں دین کی طرف رغبت اور ان کی دینی بیداری کا اور ان کے اندر دین کی اہمیت کا احساس اور طلب جگانے کا کام باقی تھا۔ جس کی طرف روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو اشارہ ہوا۔ اور آپ نے تعمیلِ امر میں اس عمومی محنت کا آغاز کیا۔

عمومی محنت کے ذریعہ کیا چاہا جا رہا تھا؟

محنت کیلئے مقصد پیش نظر ہوتا ہے۔ اس کے لئے "امت کی اصل بیماری کیا ہے" یہ معلوم کرنا پڑتا ہے۔ بڑے غور وفکر کے بعد حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے اصل بیماری کی تشخیص کی تھی۔

امت کی اصل بیماری

فرمایا ـــــــ ہمارے نزدیک اس وقت امت کی اصل بیماری دین کی طلب وقدر سے ان کے دلوں کا خالی ہونا ہے۔ اگر دین کی فکر وطلب ان کے اندر پیدا ہو جائے اور دین کی اہمیت کا شعور واحساس ان کے اندر زندہ ہو جائے تو ان کی اسلامیت دیکھتے دیکھتے سرسبز ہو جائے۔ ہماری اس تحریک کا اصل مقصد اس وقت بس دین کی طلب وقدر پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے نہ کہ صرف کلمہ اور نماز وغیرہ کی تصحیح وتلقین۔

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۷۷)

تحریک کا اصل مقصد

امت کے اندر دین کی طلب پیدا کر کے پورے ہی دین سے امت کو وابستہ کرنا یہ بات حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے پیشِ نظر تھی۔ فرماتے ہیں ـــــــ

ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو "جَمِیْعُ مَاجَآءَ بِهِ النَّبِیُّ" سکھانا (یعنی اسلام کے پورے علمی وعملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا) یہ تو ہے ہمارا اصل مقصد۔ رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت، سو یہ اس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ ونماز کی تلقین وتعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی "الف، بے، تے" ہے۔

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۳۴)

ظاہر وباطن کی قوتوں کا اصل مصرف

امت میں دین کی طلب پیدا کرنا اس کے لئے ظاہر وباطن کی قوتوں کو صرف کرنا یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رہی۔ فرماتے ہیں ـــــــ

میں نے یہ طے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر وباطن کی جو قوتیں عطا فرمائی ہیں ان کا صحیح مصرف یہ ہے کہ ان کو اسی کام میں لگایا جائے جس

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوتیں صَرف فرمائیں اور وہ کام ہے اللہ کے بندوں کو اور خاص کر غافلوں اور بے طلبوں کو اللہ کی طرف لانا اور اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کے لئے جان کو بے قیمت کرنے کا رواج دینا۔ بس یہی ہماری تحریک ہے اور یہی ہم سب سے کہتے ہیں۔ یہ کام اگر ہونے لگے تو اب سے ہزاروں گنے زیادہ مدرسے اور ہزاروں گنی ہی زیادہ خانقاہیں قائم ہو جائیں بلکہ ہر مسلمان مدرسہ اور خانقاہ ہو جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی نعمت اس عمومی انداز سے بٹنے لگے جو اس کے شایانِ شان ہے۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۱۳۷)

دین اور دین کی محنت کے بارے میں فکرِ الیاسی کا خلاصہ:

آپ اپنی اس محنت کے ذریعہ "عباداتِ دینیہ" کو پوری طاقت سے امت میں رائج کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے "عبادت کو قطرہ اور دعوت کو سمندر" کہہ کر عبادات کی اہمیت سے صرفِ نظر نہیں کیا بلکہ عبادات کا جو مقام دین میں ہے اس کی حقیقت کی طرف متوجہ کر کے اس کی دعوت کی ترغیب دی۔ ان کے نزدیک عبادات کی جو اہمیت تھی اس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے ہوگا۔

"ایک دوست کو جو غالباً مسلمان اہلِ حرفہ و اہلِ صنعت کی دینی اصلاح و ترقی کے خواہشمند تھے تحریر فرمایا ـــــ اس بندۂ ناچیز کی نظر کے اندر وہ تبلیغ جس کے لئے آپ کو بھی بلایا تھا اور خود بھی کوشاں ہے، اس کا منتہا دنیا کے مسلمانوں میں صنعت و حرفت، زراعت و تجارت کو شریعت کے ماتحت اور شریعت کے مطابق کرنا ہے۔ تبلیغ کی ابجد اور الف، ب، ت، "عبادات" سے ہے۔ اور عبادات کے کمال کے بغیر ہرگز معاشرت اور معاملات تک اسلامی امور کی پابندی نہیں پہونچ سکتی۔ سو مخلصین کی صحیح اسکیم یہ ہونی چاہئے کہ تبلیغ کی ابجد الف، ب، ت یعنی "عبادات" کو دنیا میں

پھیلانے کی اسکیم شروع کر کے اس کی منتہا پر پہونچانے کی کوشش میں لگ جائیں۔ معاملات و معاشرت اور باہمی اخلاق کی اصلاح و درستی کے ذریعہ سیاست تامہ تک رسائی ہوگی۔ اس کے سوا کسی جزئیات میں پڑ جانا اپنے سرمایۂ ورد کو شیطان کے حوالہ کر دینے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ می روی بترکستان است"

(حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت۔ ص: ۲۶۸-۲۶۹)

فرمایا ـــــ ہماری تبلیغ میں کام کرنے والوں کو تین طبقوں میں تین ہی مقاصد کے لئے خصوصیت سے جانا چاہئے۔

(۱) علماء اور صلحاء کی خدمت میں دین سیکھنے اور دین کے اچھے اثرات لینے کے لئے۔

(۲) اپنے سے کم درجہ کے لوگوں میں دینی باتوں کو پھیلانے کے ذریعہ اپنی تکمیل اور اپنے دین میں رسوخ حاصل کرنے کے لئے۔

(۳) مختلف گروہوں میں ان کی متفرق خوبیاں جذب کرنے کے لئے۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۵۷)

جہادِ زندگانی میں الیاسی شمشیریں:

لیکن ان کے سامنے مجددی ہمہ گیر اصلاح و تجدید کی سرگرمیاں، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے خاندان کی خدمات، سید احمد شہیدؒ و مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ (م-۴ر شوال ۱۳۱۵ھ مطابق ۲۶ رفروری ۱۹۹۸ء) کی سرفروشیاں، حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی شب بیداریاں اور نالہ ہائے نیم شبی اور مردم سازیاں، حضرت نانوتویؒ کا علمی رسوخ اور گہرائیاں، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی بصیرت و بصارت کی جلوہ تابانیاں اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا اضطراب

و بے چینیاں ـــــــ یہ سب کچھ حضرت مولانا الیاسؒ کی نظروں کے سامنے تھا۔ ان ہی اسلافِ ربانی سے آپ کو دینی حمیت و غیرت، جذبۂ اصلاحِ حال، ذوقِ دعا و عبادت، ذکر و شغل کی حقیقت، اکابر کی صحبتوں کے برکات و ثمرات، اتباعِ سنت اور سوز دروں کا اضطراب، اللہ تعالیٰ سے قوی تعلق و نسبت، آقائے مدنیؐ سے حد درجہ عشق و محبت، صحابۂ کرامؓ کی جدو جہد کے نمونے اور روحانی قوت و طاقت ـــــــ یہ تمام دولتیں گویا ورثہ میں ملی تھیں۔ ان صفاتِ عالیہ کے بغیر کوئی دینی کام انجام نہیں پاتا۔

اسلاف سے بے اعتمادی فتنوں کے دروازے کھول دیتی ہے:

ان صفات کے بغیر اور اس دولت باطنی و روحانیت کے بغیر بیسویں صدی کے نصف اول میں جو بھی تحریکیں اٹھیں، ان سے کام تو کچھ ہو نہ سکا بلکہ مزید فتنوں کے دروازے کھل گئے۔ ان تحریکوں کی وجہ سے مسلمانوں میں اکابر و مشائخ سے بے دلی و بے اعتمادی، ہر صدی کی مجددانہ و اصلاحی کوششوں کی ناقدری پیدا ہوئی۔ اور تزکیہ و تصوف کی لائن تو ان کے نزدیک زہر ہلاہل سے زیادہ خطرناک تھی جس کو بقول ان کے، اسلاف نے تریاق سمجھ کر امت کو پلایا تھا۔ ان باتوں اور کوششوں کا انجام اہل نظر کے سامنے ہے ـــــــ یہ سارے مناظر بھی حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی نظروں کے سامنے تھے۔ انہوں نے اپنے کو اسلاف سے الگ نہیں کیا۔ اور ان کی کوششوں سے صرف نظر نہیں کیا بلکہ انہیں کے فکر و جہد کے محور پر اپنی "دعوت اصلاح" کی بنیاد رکھی۔ اور جو دولتیں انہوں نے سلاسلِ اربعہ کے مشائخ کی بالخصوص سلسلۂ چشتیہ کی حاصل کی تھیں ان کو اپنی "دعوت" میں شامل کر کے اس کو عام کرنے کی سعی بلیغ فرمائی۔ "پروفیسر خلیق احمد نظامی نے 'تاریخ مشائخ چشت' میں صحیح لکھا ہے کہ ـــ گذشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا جس طرح مولانا محمد الیاسؒ نے کیا تھا۔"

(تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوم ص ۴۹)

اس بارے میں خود ہی فرماتے ہیں ـــــــ

"اس سلسلہ کا ایک اصول یہ ہے کہ آزادروی اور خود رائی نہ ہو، بلکہ اپنے کو ان بڑوں کے مشوروں کا پابند رکھو جن پر دین کے بارے میں ان اکابر مرحومین نے اعتماد ظاہر کیا، جن کا اللہ کے ساتھ خاص تعلق معلوم و مسلم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرامؓ کا عام معیار یہی تھا کہ وہ انہیں اکابر پر زیادہ اعتماد کرتے تھے جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاص اعتماد فرماتے تھے۔ اور پھر بعد میں وہ حضرات زیادہ قابلِ اعتماد سمجھے گئے جن پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اعتماد فرمایا تھا۔ دین میں اعتماد کے لئے بہت تیقظ کے ساتھ انتخاب ضروری ہے، ورنہ بڑی گمراہیوں کا بھی خطرہ ہے۔" (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۱۲۰)

پھر ایک مرتبہ فرماتے ہیں ـــــــ

میری حیثیت ایک عام مؤمن سے اونچی نہ سمجھی جائے، صرف میرے کہنے پر عمل کرنا بددینی ہے۔ میں جو کچھ کہوں اس کو کتاب و سنت پر پیش کر کے اور خود غور و فکر کر کے اپنے ذمہ داری پر عمل کرو، میں تو بس مشورہ دیتا ہوں۔

فرمایا ـــــــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے تھے کہ 'تم نے میرے سر بہت بڑی ذمہ داری ڈالدی ہے، تم سب میرے اعمال کی نگرانی کیا کرو'۔

میری بھی اپنے دوستوں سے بڑے اصرار اور الحاح سے یہ درخواست ہے کہ وہ میری نگرانی کریں، جہاں غلطی کروں وہاں ٹوکیں اور میرے رُشد و سداد کے لئے دعائیں بھی کریں۔

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۱۶۹)

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور سلوک وطریقت

اوپر یہ بات آگئی ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے چشتیہ سلسلہ کے اصولوں کو اپنی محنت میں جذب کیا ہے۔ اس طرح کی ہمت وجرأت وہی کرسکتا ہے جو سلوک وطریقت کے رموز سے آشنا ہو۔ آپ سلوک وطریقت کے ماہر اور اس کی غرض وغایت کو کماحقہ سمجھنے والے تھے اور ایک طرح سے غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ سلوک وطریقت کی غرض وغایت، تبلیغ کی محنت سے مختلف نہیں ہے۔ پھر جو چیز عوام میں چلانی ہو اس کا آسان اور سہل الحصول ہونا بھی ضروری ہے۔ حضرت مولاناؒ کے نزدیک سلوک وطریقت ضروری بھی تھی اور آسان بھی۔ فرماتے ہیں——

جو چیز دین میں جس درجہ ضروری ہوگی وہ اسی درجہ میں سہل اور آسان ہونی چاہئے۔ پس تصحیح نیت اور اخلاص للہ چونکہ دین میں نہایت ضروری ہے بلکہ وہی سارے امورِ دین کی روح ہے اس لئے وہ بے حد سہل ہے۔ اور یہی "اخلاص للہ" چونکہ سارے "سلوک" اور "طریق" کا حاصل ہے اس لئے معلوم ہوا کہ سلوک بھی بہت آسان چیز ہے۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص۱۵)

پھر اس کی غرض وغایت کے بارے میں فرماتے ہیں——

طریقت کی خاص غایت ہے اللہ تعالیٰ کے احکام و اوامر کا مرغوب طبعی اور نواہی کا مکروہِ طبعی ہو جانا (یعنی ایسی کیفیت پیدا ہو جانا کہ احکام واوامرِ الٰہی کے بجالانے میں لذت وفرحت حاصل ہو اور نواہی یعنی ممنوعات کے پاس جانے سے اذیت اور کراہت ہونے لگے) یہ تو ہے طریقت کی غایت باقی جو کچھ ہے (یعنی خاص اذکار واشغال مخصوص قسم کی ریاضات وغیرہ) سو وہ اس کی تحصیل کے ذرائع ہیں لیکن اب بہت سے لوگ ان ذرائع ہی کو اصل طریق سمجھنے لگے۔

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص۱۵-۱۶)

یہ ہر دور کی بیماری رہی ہے کہ لوگ ذرائع کو مقاصد کا درجہ دے دیتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو اس بات کا بڑا فکر رہتا تھا کہ اللہ کے راستے میں نکلنا اور چلت پھرت اسی کو کہیں اصل اور مقصد قرار نہ دیا جائے اور دین کے زندگی میں لانے کا وہ مقصد جس کو اوپر کے سطور میں حضرت مولاناؒ کے ارشادات کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے، اس سے کہیں صرفِ نظر ہونے نہ پائے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ فرماتے ہیں——

آج کل دین کے باب میں یہ غلط فہمی نہایت عام ہوگئی ہے کہ مبادی کو غایات کا اور ذرائع کو مقاصد کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ اگر غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ دین کے تمام شعبوں میں یہ غلطی گھس گئی اور ہزاروں خرابیوں کی یہ جڑ ہے۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص۸۸)

سلسلۂ بیعت:

طریقت کا پہلا قدم، بیعت ہے۔ چونکہ میوات آپ کی مساعی کا میدانِ اول تھا۔ وہاں پر آپ نے اپنی توجہات مرکوز فرمائیں۔ میو قوم کا تعلق بہت شروع سے حضرت مولاناؒ کے خاندان سے تھا۔ آپ کی آمد ورفت بھی میوات میں رہی۔ اور لوگ بکثرت آپ کے سلسلہ میں منسلک ہوتے رہے۔ آپ مشائخ چشتیہ صابریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جس میں حضرت مجددؒ کا مجددانہ رنگ بھی شامل تھا۔ تبلیغی کام کے آغاز کے بعد بھی یہ بیعت کا سلسلہ برابر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات تک باقی رہا۔ اور وفات سے پہلے آپ نے چند حضرات کو خلافت واجازت بیعت بھی عطا فرمائی۔ اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

'خلافت' ایک امانت ہوتی ہے۔ اس کو اس کے اہل کی طرف پہنچانا ہوتا ہے اور اس کی ذمہ داریوں کو نبھانا ہوتا ہے۔ ایک موقع پر اپنے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے فرمایا——

''میرا تمہارا معاملہ کھیل ہو کر نہ رہ جائے۔ اہل اللہ کی طرف سے جو چیز ملا کرتی ہے، وہ حق ہوتی ہے''۔ (آپ بیتی-۴، ص:۲۰۹)

مولانا محمد الیاسؒ کا شیخ الحدیث کو بیعت کرنے کا حکم:

اس لئے خلافت و اجازت کے ملنے کے بعد بیعت کے سلسلہ کو جاری رکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ امر کتنا ضروری ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا کہ ——

حضرت سہارنپوریؒ کی طرف سے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ (۱۰؍رمضان ۱۳۱۵ھ- یکم شعبان ۱۴۰۲ھ، ۲۴؍مئی ۱۹۸۲ء) کو اجازت ملنے کے بعد بھی ''حضرت شیخ نے عرصہ تک بیعت لینے سے پہلوتہی کی اور جو کوئی اس نیت سے آتا اس کو دوسرے مشائخ سے بیعت کراتے۔ بالآخر حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے حکم فرمانے سے یہ سلسلہ جاری ہوا۔ اور ان ہی کے حکم سے سب سے پہلے آپ نے کاندھلہ میں اپنے خاندان کی مستورات کو بیعت کیا''۔ (تذکرۂ شیخ ص:۳۱)

دعوت و تبلیغ اور علم وذکر کا ربط و تعلق:

بیعت کے بعد ذکر و اذکار کرائے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کام کرنے والوں کو اس دعوت والی محنت میں علم وذکر کے اہتمام کی تاکید فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ان دو چیزوں کے اہتمام کے بغیر ہماری محنت ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی۔ اور اپنی فکر و کرب کا اظہار بھی فرماتے تھے کہ مجھے اپنے کام کرنے والوں میں اس کی بڑی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ آپ کے نزدیک علم وذکر کی اور اہلِ علم و اہلِ ذکر کی اتنی اہمیت تھی کہ دعوت کے ذمہ دار (امیر) طے کرنے میں بھی اہل ذکر کو ترجیح دیتے تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی امارت کے سلسلہ میں یہ بات آگے آرہی ہے۔

علم وذکر کے بارے میں آپ کی فکرمندی کے سلسلہ میں چند ملفوظات ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں۔

فرمایا —— علم سے عمل پیدا ہونا چاہئے، اور عمل سے ذکر پیدا ہونا چاہئے تبھی علم علم ہے اور عمل عمل ہے۔ اگر علم سے عمل پیدا نہ ہو تو سراسر ظلمت ہے۔ اور عمل سے اللہ کی یاد دل میں نہ پیدا ہوئی تو پھُسپھُسا ہے اور ذکر بلا علم بھی فتنہ ہے۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۶۲)

پھر ایک موقع پر فرمایا ——

دو چیزوں کا مجھے بڑا فکر ہے ان کا اہتمام کیا جائے۔ ایک ذکر کا کہ اپنی جماعت میں اس کی کمی پا رہا ہوں ان کو ذکر بتلایا جائے۔ دوسرے اہلِ اموال کو مصرفِ زکوٰۃ سمجھایا جائے۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۶۱)

ایک اور موقع پر فرمایا ——

ہماری تبلیغ میں علمِ وذکر کی بڑی اہمیت ہے۔ بدون علم کے نہ عمل ہوسکے نہ عمل کی معرفت، اور بدون ذکر کے علم ظلمت ہی ظلمت ہے اس میں نور نہیں ہوسکتا، مگر ہمارے کام کرنیوالوں میں اس کی کمی ہے۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۴۶)

علم وذکر کے بغیر، فتنہ وضلالت کا اندیشہ

ایک دن بعد نمازِ فجر جب کہ اس تحریک میں عملی حصہ لینے والوں کا نظام الدین کی مسجد میں بڑا مجمع تھا اور حضرت مولانا کی طبیعت اس قدر کمزور تھی کہ بستر پر لیٹے لیٹے بھی دو چار لفظ بآواز نہیں فرما سکتے تھے تو اہتمام سے ایک خاص خادم کو طلب فرمایا اور اس کے واسطے سے اس پوری جماعت کو کہلوایا کہ —— آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بے کار ہوگی اگر اس کے ساتھ علمِ دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا (گویا یہ علم وذکر دو بازو ہیں جن کے بغیر اس فضا میں پرواز نہیں کی جاسکتی) بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ

اگر ان دو چیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جدوجہد مبادا فتنہ اور ضلالت کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے۔ دین کا اگر علم ہی نہ ہو تو اسلام وایمان محض رسمی اور اسمی ہیں، اور اللہ کے ذکر کے بغیر اگر علم ہو بھی تو وہ سراسر ظلمت ہے اور علیٰ ہذا اگر علمِ دین کے بغیر ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو تو اس میں بھی بڑا خطرہ ہے۔ الغرض علم میں نور ذکر سے آتا ہے اور بغیر علم دین کے ذکر کے حقیقی برکات وثمرات حاصل نہیں ہوتے، بلکہ بسا اوقات ایسے جاہل صوفیوں کو شیطان اپنا آلۂ کار بنالیتا ہے۔ لہٰذا علم اور ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ خاص اہتمام رکھا جائے، ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بھی بس ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی، اور خدانکردہ آپ لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے۔

(حضرت مولانا کا مطلب اس ہدایت سے یہ تھا کہ اس راہ میں کام کرنے والے، تبلیغ ودعوت کے سلسلہ کی محنت ومشقت، سفر وہجرت اور ایثار وقربانی ہی کو اصل کام نہ سمجھیں، جیسا کہ آج کل کی عام ہوا ہے، بلکہ دین کے تعلیم وتعلم اور ذکر اللہ کی عادت ڈالنے اور اس سے تعلق پیدا کرنے کو اپنا اہم فریضہ سمجھیں۔ بہ الفاظِ دیگر ان کو صرف ''سپاہی'' اور ''والنٹیر'' بنتا نہیں ہے بلکہ طالبِ علمِ دین اور ''اللہ کا یاد کرنے والا بندہ'' بھی بننا ہے)۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۳۹-۴۰)

علم وذکر کے بغیر یہ تحریک سراسر مادیت ہے

آپ نے اپنے آخری ایام میں علم وذکر کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے۔ حضرت علی میاںؒ آپ کے آخری ایام کے حالات قلمبند کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں——

''ان دنوں میں چند باتوں کا زندگی بھر سے زیادہ اہتمام رہا۔

اول اور سب سے زیادہ علم وذکر کی ترغیب وتاکید، اس تصور سے کہ یہ کام عام عصری تحریکات کی طرح محض ایک بے روح ڈھانچہ، قواعد وضوابط کا مجموعہ اور ایک مادی نظام بن کر نہ رہ جائے۔ آپ برابر لرزاں ترساں رہتے تھے اور طبیعت پر اس کا ایک بوجھ تھا۔ بار بار اس سے ڈراتے تھے، بار بار علم وذکر کے اہتمام کی تاکید فرماتے تھے۔ بار بار کہتے اور کہلواتے تھے کہ علم وذکر اس گاڑی کے دو پہیے ہیں جن کے بغیر یہ گاڑی چل نہیں سکتی۔ دو بازو ہیں جن کے بغیر اس کی پرواز نہیں۔ علم کے لئے ذکر اور ذکر کے لئے علم کی ضرورت ہے۔ علم، بغیر ذکر کے ظلمت ہے۔ ذکر، بغیر علم کے فتنہ ہے۔ اور یہ تحریک ونظام ان دونوں کے بغیر سراسر مادیت ہے''۔ (حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ص ۱۸۴ و ۱۸۵)

ذکرِ لسانی ونفلی

آپ ذکرِ لسانی ونفلی کو بھی بیکار نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کا مطمحِ نظر اس بارے میں کیا تھا اس کو مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی ذیل کی تحریر میں پڑھئے——

''ذکرِ لسانی ونفلی کو بھی مولانا کے نزدیک دین کی جد وجہد اور حرکت وسعی کے ساتھ ضم کرنے کی خاص ضرورت ہے——

یہی صحابۂ کرامؓ کی زندگی کی ساخت تھی کہ وہ دین کی دعوت وجہاد اور دین کے فروغ کے لئے سعی وعمل کے ساتھ ذکر کو ضم کرتے تھے اور یہی اب بھی ہونا چاہئے۔ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں——

حق تعالیٰ کے قرب اور اس کی کامل رضا کا سہل اور اقویٰ وسیلہ سمجھ کر ذکر میں مشغول ہوتے ہوئے اور سر بسجود ہو کر دعاؤں کی کثرت کرتے ہوئے آپ اس کام کو کرتے رہیں۔ اور اسی طرح کرنے کی سب کو تعلیم دیتے رہیں۔ ذکر اور دعا کی کثرت اس کا پہیا ہے اور اس کی روح ہے''۔

ایک کارکن کو تحریر فرماتے ہیں ——

"ذکر سے اپنی خلوتوں کو اور خلوص کے ساتھ اللہ کی نہایت عظمت لیتے ہوئے دعوت الی الحق سے اپنی جلوتوں کو مشغول رکھو"۔

(حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ص: ۳۶۰)

بیعت کے بعد ذکر کرنا ضروری ہے

اگر کوئی بیعت ہونے کے بعد بھی ذکر نہ کرتا تو اس سے آپ کو بڑی فکر ہوتی اور پورے خلوص کے ساتھ ذکر کے اہتمام کی ترغیب دیتے۔ اس بارہ میں ایک دلچسپ واقعہ ذیل میں تحریر کیا جارہا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ ان کی ——

"اگرچہ رہی بیعت شوال ۱۳۳۳ھ میں حضرت مرشدی (حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ) قدس سرہ کے ایک سالہ قیام حجاز کی روانگی کے موقع پر ہوگئی تھی۔ مگر ذکر و شغل کی توفیق اب تک بھی نہ ہوئی۔ میرے چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاسؒ) قدس سرہٗ، اللہ تعالیٰ ان کو بلند درجات عطا فرمائے، ان کی شفقتیں بچپن سے مجھ پر بہت ہی بڑھتی رہیں۔ وہ مجھ پر بیعت کے بعد سے بہت ہی اصرار فرماتے رہے کہ تو ذکر کرلیا کر۔ مگر میں ہمیشہ اپنی نالائقی سے یہ جواب دیا کرتا تھا کہ "ہر کسے را بہر کارے ساختند"۔ ضربیں آپ لگائیں، سبق میں پڑھاؤں گا۔ یہ لائن میرے بس کی نہیں ہے اور نہ میں اس کا اہل ہوں وغیرہ وغیرہ۔ مگر چچا جان کی شفقتیں ہمیشہ بہت ہی متقاضی رہیں"۔ (آپ بیتی-۴ص:۱۶۰)

اپنے مریدوں کو حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا ذکر تلقین کرنا

آپ بیعت ہونے والوں کو ذکر کی ترغیب و تاکید بھی کرتے تھے اور ذکر بھی بتادیتے تھے۔

ایک بار فرمایا —— میں ابتداء میں اس طرح ذکر کی تعلیم دیتا ہوں ہر نماز کے بعد تسبیح فاطمہؓ اور تیسرا کلمہ (سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ) اور صبح وشام سو سو بار درود شریف واستغفار و تلاوتِ قرآن مع تصحیح قرأت اور نوافل میں تہجد کی تاکید اور اہلِ ذکر کے پاس جانا۔ علم بدون ذکر کے ظلمت ہے اور ذکر بدون علم کے بہت سے فتنوں کا دروازہ ہے۔

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۵۰-۵۱)

پھر آگے بڑھنے والوں کو بارہ تسبیح بھی بتادیتے تھے۔ اور ذی استعداد حضرات کو "پاسِ انفاس" کی بھی تعلیم دیتے تھے۔

ذکر، مشائخ کی نگرانی میں ہو

حضرت مولاناؒ کو اس بات کا بھی فکر رہتا تھا کہ ذکر بڑوں سے پوچھ کر ان کی نگرانی میں کیا جائے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"(حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے فرمایا) ہماری اس دینی دعوت میں کام کرنے والے سب لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دینی چاہئے کہ تبلیغی جماعتوں کے نکلنے کا مقصد صرف دوسروں کو پہنچانا اور بتانا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ سے اپنی اصلاح اور اپنی تعلیم و تربیت بھی مقصود ہے۔ لہٰذا نکلنے کے زمانہ میں علم اور ذکر میں مشغولیت کا بہت زیادہ اہتمام کیا جائے، علم دین اور ذکر اللہ کے اہتمام کے بغیر نکلنا کچھ بھی نہیں ہے —— پھر یہ بھی ضروری ہے کہ علم و ذکر میں یہ مشغولیت اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیر ہدایت و نگرانی ہو۔ انبیاء علیہم السلام کا علم و ذکر، اللہ تعالیٰ کے زیر ہدایت تھا اور

صحابہ کرامؓ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ''علم وذکر'' لیتے تھے اور حضور ﷺ ان کی پوری پوری نگرانی فرماتے تھے۔ اسی طرح ہر زمانہ کے لوگوں نے اپنے بڑوں سے علم وذکر لیا اور ان کی نگرانی اور رہنمائی میں تکمیل کی۔ ایسے ہی آج بھی ہم اپنے بڑوں کی نگرانی کے محتاج ہیں ورنہ شیطان کے جال میں پھنس جانے کا بڑا اندیشہ ہے۔'' (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۱۱۰-۱۱۱)

پھر ایک موقع پر فرمایا ——

ہمارے سب کام کرنے والوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ تبلیغ کے لئے باہر جانے کے زمانہ میں بالخصوص علم اور ذکر کی طرف بہت زیادہ توجہ کریں، علم اور ذکر میں ترقی کے بغیر دینی ترقی ممکن نہیں، نیز علم اور ذکر کی تحصیل وتکمیل اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیرِ ہدایت اور ان کی نگرانی میں ہو۔

انبیاء علیہم السلام کا علم وذکر، اللہ تعالیٰ کے زیرِ ہدایت اور اس کے حکم کے ماتحت ہوتا تھا، اور حضرات صحابۂ کرامؓ کا علم وذکر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے ماتحت اور آپ کی نگرانی میں ہوتا تھا، پھر ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے اس قرآن کے اہل علم اور اہلِ ذکر گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہیں، لہٰذا علم وذکر میں اپنے بڑوں کی نگرانی سے استغناء نہیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ خاص کر باہر نکلنے کے زمانہ میں صرف اپنے خاص مشاغل میں اشتغال رہے اور دوسرے تمام مشاغل سے یکسو رہا جائے اور وہ خاص مشاغل یہ ہیں:-

۱-تبلیغی گشت، ۲-علم، ۳-ذکر، ۴-دین کے لئے گھر چھوڑ کر نکلنے والے اپنے ساتھیوں کی خصوصاً اور عام خلق اللہ کی عموماً خدمت کی

مشق، ۵-تصحیح نیت اور اخلاص واحتساب کا اہتمام۔ اور اتہامِ نفس کے ساتھ بار بار اس اخلاص واحتساب کی تجدید۔

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۱۳۶-۱۳۷)

ذاکرین کی نگرانی

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اپنے سے وابستہ تبلیغی حضرات کی نگرانی کا اہتمام بھی فرماتے تھے۔ یہ نہیں کہ ہر ایک کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ دیکھئے حضرتؒ اپنے ایک مکتوب میں کارکنانِ میوات کے نام تحریر فرماتے ہیں ——

''میرے دوستو اور عزیزو! تمہارے ایک ایک سال دینے کی خبر سے جو بھی سے مسرت ہو رہی ہے وہ تحریر سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرماویں اور توفیق مزید عطا فرماویں میں چند باتوں کی طرف آپ صاحبان کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

(۱) اپنے اپنے (حلقے) کے ان لوگوں کی فہرست جمع کر کے مجھے اور شیخ الحدیث صاحب کو لکھیں کہ جو ذکر شروع کر چکے ہیں یا اب کر رہے ہیں یا چھوڑ چکے ہیں۔

(۲) دوسرے جو بیعت ہیں اور ان کو بیعت کے بعد جو بتلایا جاتا ہے اس کو نباہ رہے ہیں یا نہیں۔

(۳) ہر مرکز میں جو مکاتب ہیں، ان کی نگرانی اور جدید مکاتب کی جہاں جہاں ضرورت ہو۔

(۴) تم خود بھی ذکر وتعلیم میں مشغول ہو یا نہیں۔ اگر نہیں ہو تو بہت جلد اب تک کی غفلت پر نادم ہو کر شروع کر دو۔

(۵) الف سے مراد یہ ہے کہ جن کو بارہ تسبیح بتائی گئی ہیں، وہ پابندی سے پورا کرتے ہیں یا نہیں اور انہوں نے ہم سے پوچھ کر کیا ہے یا

خود اپنی تجویز سے ذکر کرنے والوں کو دیکھ کر شروع کر دیا ہے۔ ہر ہر شخص سے دریافت کر کے نمبروار تفصیل سے لکھو۔

(۶) اپنے مرکزوں سے ہر ہر نمبر کے متعلق نمبروار تفصیل کے ساتھ کارگزاری میرے اور شیخ الحدیث صاحب کے پاس روانہ کرنے کا اہتمام ہو۔

(۷) جو ذکر بارہ تسبیح کر رہے ہیں ان کو آمادہ کرو کہ وہ ایک ایک چلہ رائے پور[1] جا کر گذاریں۔

(۸) و (۹).........

(۱۰) میرے دوستو! تمہارے نکلنے کا خلاصہ تین چیزوں کا زندہ کرنا ہے۔ ذکر، تعلیم اور تبلیغ۔ یعنی تبلیغ کیلئے باہر نکالنا اور ان کو ذکر و تعلیم کا پابند کرنا...... الخ" (مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاس ص۱۳۶ تا ۱۳۸)

حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ، ایک مرید کو اس کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ذکر کی مقدار تم نے بہت غلط لکھی ہے۔ لا الہ الا اللہ دو تسبیح پھر "الا اللہ" چار تسبیح پھر "اَللّٰہُ اللہ" چھ تسبیح سب میں قوت و ہمت اور تعظیم وحلاوت ملحوظ خاطر ذہنی ضروری ہے ہمیشہ مواظبت رہے ترک نہ ہو"۔ (ارشادات و مکتوبات بانی جماعت تبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس ص۱۳۵)

حضرت جی مولانا محمد الیاسؒ کا ذکر کا معمول واہتمام:

دوسروں کو ذکر و شغل کی ترغیب دینے اور تاکید فرمانے کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا محمد الیاسؒ خود بھی ذکر کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔

حضرتؒ کا معمول آخر دم تک دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ ذکر و شغل کا رہا۔

[1] رائے پور (ضلع سہارنپور) حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ خلیفہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کی خدمت میں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ تحریر فرماتے ہیں——

"میں نے اپنے اکابر میں مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نوراللہ مرقدۂ کو شدید بیماری سے کچھ پہلے تک اور حضرت شیخ الاسلام (مولانا حسین احمد مدنیؒ) اور اپنے چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاسؒ) کو دیکھا کہ بہت اہتمام سے ذکر بالجہر کرتے رہے۔ اور مشائخ سلوک کا تو یہ مقولہ مشہور ہے کہ جس چیز کی برکت سے یہاں پہونچے اب اس کو چھوڑتے ہوئے شرم آتی ہے"۔ (آپ بیتی-۵ ص ۱۶۲)

مولانا سید محمد شاہد صاحب تحریر فرماتے ہیں——

"مرض الوفات تک آپ (مولانا الیاسؒ) کا معمول ذکر بالجہر کا نہیں چھوٹا۔ تمام سال تہجد کے بعد ذکر کیا کرتے تھے اور ماہِ مبارک (رمضان) میں عصر سے مغرب تک۔ ذکر کرتے وقت ان کے ذکر میں ایسی حلاوت وتراوت محسوس ہوتی تھی کہ سننے والوں کو بھی بہت صاف محسوس ہوتی تھی۔ اجتماعی معمولات کے ساتھ انفرادی وشخصی معمولات کی بھی، اپنے خدام و مقیمین مرکز کو آخر تک تاکید و ہدایت فرماتے رہے۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کی مرتب کردہ فہرست کے مطابق آپ کے حادثۂ وفات کے موقع پر ایسے بیس اصحاب مرکز میں موجود تھے جو بڑے اہتمام سے ذکر کرتے تھے"۔

(سوانح مولانا محمد انعام الحسنؒ جلد اول ص۶۴،۶۵)

دعا وانابت الی اللہ:

آپ اس عظیم و عالی دعوتی جد و جہد کے ساتھ ساتھ یہ چاہتے تھے کہ اس کام کے ذریعے مسلمان دعا والے بھی بنیں۔ اس لئے کہ دعوت کے ساتھ دعا کا جوڑ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی محنتوں میں یہ دونوں باتیں بدرجۂ اتم موجود ہوتی تھیں۔

آپ چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں انابت الی اللہ کی کیفیت پیدا ہو۔اور یہی چیز شانِ عبدیت میں کمال پیدا کرتی ہے۔اس بارے میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں——

''اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع وانابت، تضرع ودعا، اور ذکر کی کثرت مولانا کی زندگی کی روح رواں اور ان کے نزدیک ان کی اس دعوت وتحریک کا قلب تھا۔ایک مرتبہ ارشاد فرمایا——

''ہماری اس تحریک کی صحیح ترتیب یہ ہے کہ اس میں سب سے زیادہ کام دل کا ہو(یعنی اللہ پاک کے سامنے تضرع اور اس کی نصرت پر کامل اعتماد کے ساتھ اس سے استعانت اور دنیا ومافیہا سے بالکل منقطع ہوکر اس کی طرف انابت)۔اس کے بعد دوسرے درجہ میں جوارح کا کام ہو(یعنی اللہ کی مرضیات کے فروغ کے لئے دوڑ دھوپ اور محنت ومشقت)۔اور تیسرے درجہ میں زبان کا کام ہو(مطلب یہ کہ سب سے کم مقدار تقریر کی ہو،اس سے زیادہ مقدار سعی وجہد کی ہو اور سب سے زیادہ مقدار دل کے کام کی ہو،یعنی اللہ کی طرف انابت اور اس سے استغاثہ واستعانت)۔'' (حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ص:۲۲۴-۲۲۵۔بحوالہ ''نصرت دین واصلاح مسلمین کی ایک کوشش'' از مولانا محمد منظور نعمانیؒ)

تزکیۂ نفس کی فکر،اعتکاف کا اہتمام اور خانقاہی نظام سے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا تعلق:

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو تزکیۂ نفس کا کتنا فکر اور اعتکاف اور خانقاہی نظام سے کتنا گہرا تعلق تھا اور اس طریقے کی کتنی اہمیت ان کے نزدیک تھی، اس کو سمجھنے کے لئے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی آپ بیتی سے چند اقتباس یہاں نقل کئے جارہے ہیں۔وہ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک معمول چچاجان (مولانا الیاسؒ) قدس سرہٗ کا مستقل یہ تھا (اور یہ بڑی باریک بات ہے) کہ وہ جب کسی تبلیغی اجتماع سے واپس آتے تو ایک سفر رائے پور کا ضرور فرماتے (جہاں عظیم عارف باللہ اور مصلح ومرشد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور ان کے مرشد حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ کی وجہ سے یہ ''رائے پوری'' خانقاہ مرجع خلائق تھی۔ق) ورنہ کم از کم سہارنپور کا۔اور اگر دونوں کا موقع نہ ہوتا تو تین دن کا اعتکاف اپنی مسجد میں فرمایا کرتے تھے۔اور یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ''جلسوں کے زمانہ میں ہر وقت مجمع کے درمیان میں رہنے کی وجہ سے طبیعت اور قلب پر ایک تکدر پیدا ہوجاتا ہے اور اس کے دھونے کے واسطے یہ کرتا ہوں—— میں یہ مضمون لکھوا رہا تھا کہ اتفاق سے مولانا محمد منظور صاحب نعمانی زادمجدہم دیوبند سے تشریف لائے اور اس وقت تشریف فرما بھی ہیں۔انہوں نے فرمایا کہ یہ مضمون خود حضرت دہلوی (مولانا الیاسؒ) کے ملفوظات میں خود ان کا ارشاد بلفظہ منقول ہے۔چنانچہ چچاجان کے ملفوظات منگوائے گئے۔جس کے الفاظ یہ ہیں۔فرمایا—— ''مجھے جب بھی میوات جانا ہوتا ہے تو میں ہمیشہ اہل خیر اور اہل ذکر کے مجمع کے ساتھ جاتا ہوں۔پھر بھی عمومی اختلاط سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ہوجاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعہ اسے غسل نہ دوں یا چند روز کے لئے سہارنپور یا رائے پور کے خاص مجمع اور خاص ماحول میں جاکر نہ رہوں، قلب اپنی حالت پر نہیں آتا—— دوسروں سے کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے دین کے کام کیلئے پھرنے والوں کو چاہئے کہ گشت اور چلت پھرت کے طبعی اثرات کو خلوتوں کے ذکر وفکر کے ذریعہ دھویا کریں۔انتہی بلفظہٖ۔

مضمون تو یہ حدیث پاک سے بھی مستنبط ہے کہ مجمع کا اثر بڑوں

کے قلب پر بھی پڑ جاتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی کتاب الطہارت میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ اس میں سورۂ روم تلاوت فرما رہے تھے کہ اس میں متشابہ لگا۔ سلام پھیرنے کے بعد حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ اچھی طرح وضو نہیں کرتے (نماز میں شریک ہو جاتے ہیں) اور یہ لوگ ہماری قرأت قرآن میں گڑبڑ پیدا کرتے ہیں۔ کذا فی المشکوٰۃ بروایۃ النسائی ــــ جب نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر اچھی طرح وضو نہ کرنے والوں کا اثر پڑ جاتا ہے تو پھر مجمع کا اثر جن میں ہر قسم کے فاسق و فاجر بھی موجود ہوں، مشائخ کے اوپر کیوں نہ پڑیگا۔ جن اکابر و مشائخ کو مجامع سے کام پڑتا ہو ــــ تبلیغ میں ہو، جلسوں اور مواعظ میں ہو بلکہ میرے نزدیک تو مدرسین کو بھی کیونکہ طلباء کی جماعت میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں ــــ اپنے تزکیۂ قلوب کی طرف بہت توجہ، اہتمام اور فکر چاہئے۔ اعتکاف کا اہتمام تو ہر شخص کو بہت دشوار ہے، لیکن ایسے مجامع کے درمیان میں اور ان کے بعد بھی کچھ وقت مراقبہ اور تسبیح و اوراد درود شریف واستغفار میں کثرت سے خرچ کرنا چاہئے''۔

(آپ بیتی-۴، ص: ۱۷۹-۱۸۰)

لوگوں سے اختلاط کا اثر قلوب پر پڑتا ہے۔ اس کو دھونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں خود حضرت مولانا محمد الیاسؒ فرماتے ہیں ــــ

انبیاء علیہم السلام باوجودیکہ معصوم اور محفوظ ہیں اور علوم وہدایات براہِ راست حق تعالیٰ سے حاصل کرتے ہیں، لیکن جب ان تعلیمات وہدایات کی تبلیغ میں ہر طرح کے لوگوں سے ملنا جلنا اور ان کے پاس آنا جانا ہوتا ہے تو ان کے مبارک اور منور قلوب پر بھی ان عوام الناس کی کدورتوں کا اثر پڑتا ہے۔ اور پھر تنہائی کے ذکر وعبادت کے ذریعہ وہ

اس گرد وغبار کو دھوتے ہیں۔

فرمایا ــــ سورۂ مزمل میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قیام لیل (تہجد) کا حکم دیتے ہوئے جو یہ فرمایا گیا ہے کہ ''اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا'' (اے رسول! دن میں تم کو بہت چلنا پھرنا رہتا ہے) تو اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دن کی دوڑ دھوپ اور چلت پھرت کی وجہ سے رات کی اندھیری اور تنہائی میں یکسوئی کے ساتھ عبادت کی ضرورت تھی۔ پھر اس آیت سے اگلی آیت میں جو متصلاً فرمایا گیا'' وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا'' (اور اپنے رب کے نام کی یاد کر اور یکسوئی سے ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو) تو اس سے بھی اس مضمون کی مزید تائید ہوتی ہے کہ تبلیغی دوڑ دھوپ کرنے والوں کو ذکر وفکر اور یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت کی خصوصیت سے ضرورت ہوتی ہے۔ پس ہم کو بھی اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے ــــ بلکہ ہم اس کے بہت زیادہ محتاج ہیں، کیونکہ اوّلاً تو ہم خود کچے اور ظلمتوں سے بھرے ہوئے ہیں پھر اپنے جن بڑوں سے ہم دینی فیوض اور ہدایات حاصل کرتے ہیں وہ بھی ہماری ہی طرح غیر معصوم ہیں، اور جن میں تبلیغ کے لئے جاتے ہیں وہ بھی عام انسان ہی ہیں۔ غرض ہم میں خود بھی کدورتیں ہیں اور ہمارے دونوں جانب بھی بشری کدورتیں ہیں، جن کا ہم پر اثر پڑنا لازمی اور فطری ہے۔ اس لئے ہم اس کے بہت ہی زیادہ محتاج ہیں کہ رات کی اندھیریوں اور تنہائیوں میں اللہ کے ذکر وعبادت کا اہتمام اور التزام کریں۔ قلب پر پڑے ہوئے برے اثرات کا یہ خاص علاج ہے۔

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۹۰-۹۱)

حضرت جی دوم حضرت مولانا محمد یوسفؒ اور تزکیہ واحسان

حضرت مولانا محمد یوسفؒ کا اپنے والدِ گرامی سے بیعت ہونا:

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ (۲۵ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء — ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۶۵ء) اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے بیعت تھے۔ ان کی بیعت کے بارے میں لکھا ہے ——

''۱۹۳۵ء (مطابق ۱۳۵۴ھ) میں مولانا محمد یوسف اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے بیعت ہوئے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے توجہ دلانے پر یہ مبارک عمل وجود میں آیا تھا۔ بیعت کے بعد حضرت مولانا نے آپ کو 'پاس انفاس' کی تعلیم دی اور روزانہ تین ہزار مرتبہ 'اسم ذات' تلقین فرمایا۔ یہ روحانی تعلق قائم ہونے کے بعد آپ کی عالی حوصلگی اور نسبت واستعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ خود حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے ایک موقع پر حضرت مولانا علی میاںؒ سے فرمایا کہ یہاں جتنے لوگ رہتے ہیں ان سب میں یوسف کی استعداد اعلیٰ ہے''۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسنؒ جلد اول ص:۸۷)

حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی خلافت وامارت:

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے بعد حضرت مولانا محمد یوسفؒ امیر بنے اور بیعت کے لئے مقرر ہوئے۔ اس کے بارے میں حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں ——

''چچا جان (مولانا الیاسؒ) نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے سے مایوسی کی حالت میں وصال سے دو تین دن پہلے اس سیہ کار سے کہا کہ میرے

آدمیوں میں چند لوگ 'صاحب نسبت' ہیں۔ عزیزم مولانا یوسف صاحب، قاری داؤد صاحب، سید رضا صاحب بھوپالی، مولانا انعام صاحب۔ ان کے علاوہ حافظ مقبول صاحب اور مولوی احتشام صاحب کو اس سے پہلے اجازت ہو چکی تھی —— چچا جان نے فرمایا —— میرے بعد ان میں سے کسی ایک کو 'مولانا رائے پوریؒ' کے مشورہ سے بیعت کے لئے تجویز کر دو —— میری (حضرت شیخ کی) رائے حافظ مقبول حسن صاحب کے متعلق تھی کہ ان کو بہت پہلے سے خلافت ملی تھی...... مگر حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ کی رائے عالی عزیزم مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تھی...... میں نے چچا جان نور اللہ مرقدہٗ سے پوری بات عرض کر دی۔ چچا جان نے حضرت اقدس رائے پوریؒ کی تصویب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ —— میرا بھی یہی خیال ہے کہ میوات والے جتنے یوسف پر جمع ہو سکتے ہیں کسی اور پر نہ ہوں گے —— میں نے چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کی طرف سے ایک پرچہ لکھا جس میں لکھا کہ —— میں ان لوگوں کو بیعت کی اجازت دیتا ہوں۔ چچا جان نور اللہ مرقدہٗ نے میری تحریر کے بیچ میں —— میں ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت دیتا ہوں —— یہ جملہ بڑھوا دیا''۔ (آپ بیتی-۴، ص:۱۸۱-۱۸۲)

یہاں پر خاص طور پر ایک بات قابلِ توجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا ذوق ومزاج اور طریقۂ کار یہ تھا کہ ان کے دل میں اہلِ ذکر اور اہلِ علم علماء ومشائخ کرام کا بیحد احترام تھا اور ان کی بڑی وقعت اور قدر دانی تھی۔ اور اپنے اسلاف کی طرح ان حضرات اہلِ ذکر ومشائخ پر اعتمادِ کلی تھا۔ یہاں تک کہ اپنے بعد دعوت وتبلیغ کے ذمہ دار طے کرنے کیلئے بھی انہوں نے پرانے اور تجربہ کار حضرات کی

بجائے خاص اہل ذکر خانقاہی مشائخ پر اعتماد کیا۔ اور حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری اور حضرت شیخ الحدیث کو یہ ذمہ داری سونپی۔

مزید یہ کہ دعوتی جدوجہد کی ذمہ داری سونپتے وقت، جس کو ذمہ دار بنایا جا رہا ہے اس کا اہل ذکر میں سے ہونا کتنا ضروری ہے اور بیعت وخلافت کی اجازت دینا، قیام سلسلہ کے لئے کتنا ضروری ہے۔ ان باتوں کا کتنا اہتمام وفکر حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو تھا اس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے ہوگا۔

"آج صبح حضرت اقدس مولانا محمد الیاس صاحب کا یہ پیغام پہنچا کہ —— میری جماعت میں بہت سے اہل ہیں۔ شیخ الحدیث اور مولوی ظفر احمد (یعنی حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ۔ تیسرا نام حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا ہے جو غالباً نقل میں رہ گیا۔) جس کو ان میں سے منتخب کریں اس سے ان لوگوں کو بیعت کرا دیں جو مجھ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں —— پھر یہ پیام پہونچا کہ —— مجھے چند لوگوں پر (جن کے نام بھی بتلائے تھے) اعتماد ہے —— بعد ظہر ہم اس ارشاد کی توضیح کے لئے حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں یہ پیام پہونچا تھا کہ 'مجھے اپنے چند لوگوں پر اعتماد ہے'۔ اس اعتماد کا مفہوم خلافت اور اجازت تھی یا کیا تھا؟ سکوت کے بعد فرمایا کہ —— (حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ) مولوی شفیع الدین صاحب نے قاری داؤد اور حافظ مقبول حسن پر اعتماد ظاہر کیا تھا، اسی وقت میں نے ان کے احترام کی وجہ سے کہ حرم کے رہنے والے ہیں ان کو اجازت دے دی تھی۔ مگر اب مجھے ان پر پہلے سے بہت زیادہ اعتماد ہے اور ان کے علاوہ اور بھی چند لوگوں پر اعتماد ہے۔ مولوی یوسف میں استعداد بہت ہے۔ میں نے اس کو پاس انفاس بتلایا تھا اور بہت

دنوں سے کر رہا ہے۔ سید رضا بھی ذکر وشغل میں لگے ہوئے ہیں، اور سوزش ودرد سے کام کرتے ہیں۔ مولوی احتشام کو میں نے اجازت دیدی ہے مگر ایک شرط کے ساتھ جو انہیں سے معلوم کر لینا۔ (مولوی احتشام کو وہ شرط یاد نہ آئی تو ہمارے دریافت کرنے پر) پھر فرمایا کہ وہ شرط یہ ہے کہ علماء کا احترام کریں، علماء سے نیاز مندی کا تعلق رکھیں۔ (از زکریا —— مجھ سے یہ بھی زبانی فرمایا تھا کہ شرط یہ ہے کہ امراء سے تعلق نہ رکھیں)۔ ہمارے مزید دریافت کرنے پر فرمایا کہ مولوی انعام بھی بہت اچھے ہیں، انہوں نے ذکر وشغل بھی بہت کیا ہے، یہ بھی اسی قبیل کے ہیں البتہ علم کا احترام زیادہ ہے —— ہم نے عرض کیا کہ ہم تینوں کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ مولوی یوسف سلمہ کو اجازت دیں، کیونکہ ہمارے نزدیک ان میں شرائطِ اجازت موجود ہیں، عالم ہیں، باعمل ہیں، متورع ہیں اور ہمیں امید ہے کہ وہ اپنی تکمیل کر لیں گے۔ اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی اس شرط سے اجازت دیجائے کہ وہ اپنی تکمیل سے غافل نہ ہوں۔ فرمایا ہاں، جو آپ تینوں کی رائے ہے بہت مبارک ہے اور تکمیل کے لئے تم خود ان سے تاکید کے ساتھ کہہ دینا۔ سلسلہ کا قیام یوں ہی رہتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ میری طرف سے نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سمجھنا چاہئے۔ پھر دعا فرمائی کہ اے اللہ ان تینوں صاحبوں نے جو تجویز کیا ہے اس میں برکت فرما اور جو اس میں ہم سے کوتاہی ہوئی ہو اس کو معاف فرما۔ اور ہمیں خلوص عطا فرما۔ اس کے بعد ہم نے عرض کیا کہ جو لوگ اس وقت بیعت ہونا چاہتے ہیں ہماری رائے یہ ہے کہ ان کو آپ ہی بیعت فرما لیں، جس کی صورت یہ ہو کہ کپڑے کا ایک سرا حضرت

کے ہاتھ میں ہو اور بیعت ہونے والوں کو ایک شخص کلماتِ بیعت تلقین کرتا ہے۔ فرمایا نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ میں بہت گر گیا ہوں۔ مجھے بہت تعب ہوگا۔ ہم نے عرض کیا کہ پھر اعلان کر دیا جائے کہ جو بیعت ہونا چاہیں وہ مولوی یوسف صاحب سے بیعت ہو جائیں۔ اور وہ بیعت حضرت ہی سے ہوگی۔ فرمایا ہاں مناسب ہے۔ اور آپ تینوں کا ہاتھ اس پر ہوگا۔" (آپ بیتی-۴، ص۲۰۶ تا ۲۰۸)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا طریقۂ بیعت:

جس طرح حضرت مولانا الیاسؒ کے حالات میں ابھی ہم نے دیکھا ہے کہ وہ بیعت بھی فرماتے تھے۔ اس کی تاکید بھی فرماتے تھے۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ جب حضرت دہلویؒ کے جانشین مقرر ہوئے تو آپ نے بھی بیعت کا سلسلہ شروع فرمایا۔ بیعت کے بارے میں آپ کا کیا معمول تھا اور طریقۂ بیعت کیا تھا۔ اس بارے میں چند اقتباسات تحریر کئے جا رہے ہیں۔

"آپ کا طریقۂ بیعت یہ تھا کہ سب سے پہلے بیعت کی حقیقت و اہمیت اس کے آداب اس کی ذمہ داریاں اور اس کے فضائل بیان فرماتے۔ اس کے بعد عام طریقۂ بیعت (جو ان کے مشائخ کے یہاں مروج تھا) سے کام لیتے پھر دینی دعوت کے فضائل سنا کر اس کے لئے مر مٹنے اور اوقات دینے کا عہد کراتے...... حضرت مولانا بیعت کے الفاظ اپنے خاص انداز اور مؤثر لہجے میں فرماتے۔ مکبرین ان کو دہراتے پھر پورا مجمع بلند آواز سے ان کو کہتا۔ پوری فضا گونج اٹھتی اور مسجد کے اندر باہر کے حصوں میں ارتعاش پیدا ہو جاتا۔ ہچکیاں بندھ جاتیں۔ اور سارا مجمع خواہ بیعت ہونے والوں میں ہو یا نہ ہو، سب ہی ان الفاظ کو بے اختیار دہرانے لگتے"۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن" جلد اول ص۱۰۰-۱۰۱)

ماہِ مبارک میں اعتکاف:

ہمارے اکابر تبلیغ کے یہاں اعتکاف کا بھی مستقل معمول تھا۔ اور ایک بڑے مجمع کے ساتھ اعتکاف فرماتے تھے اور دعوت کے کام کے ساتھ ساتھ اس کا بھی بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ دعوت و تبلیغ کے ذمہ دار حضرات کا اعتکاف کرنا نہایت ضروری ہے، اس لئے کہ ——

"اکابر و مشائخ کے یہاں رمضان المبارک خاص ذوق و شوق اور حلاوت کا مہینہ ہے۔ اس ماہ میں ان کی طاعات و عبادات بالخصوص تلاوتِ قرآن پاک میں کمیت و کیفیت کے اعتبار سے نمایاں اضافہ ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے یہاں بھی رمضان المبارک اور اس کے آخری عشرہ کے اعتکاف کا بہت اہتمام ہوتا تھا۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ بھی ان ہی خاصانِ خدا میں تھے جو اس ماہ سے پورا پورا لطف و سرور حاصل کرتے اور دعوتی مشاغل کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت، تسبیحات، اوراد و وظائف کا کچھ زائد ہی اہتمام فرماتے تھے۔ نیز تصنیف و تالیف کا اوسط اس ماہ میں پورے سال کے مقابلہ میں بڑھ جایا کرتا تھا...... حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے جانشین ہونے کی حیثیت سے آپ بائیس سال حیات رہے۔ اس بائیس سالہ دور کے رمضان المبارک کی تفصیلات قدرے وضاحت کے ساتھ یہاں پیش کی جاتی ہیں تا کہ دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف اور خلوت و اعتکاف کا ایک مجموعی نقشہ قارئین کے سامنے آ جائے"۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد اول ص:۱۲۲)

ان تمام تفصیلات کو یہاں درج کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ اس لئے چند سالوں کے اعتکاف کے ذکر پر ہی اکتفا کیا جا رہا ہے۔ دیگر تفصیلات سوانح مولانا محمد

انعام الحسن جلد اول میں ملاحظہ فرمائیں۔

''رمضان ۱۳۶۵ھ۔حضرت شیخ یہ ماہ مبارک مرکز نظام الدین میں گذارنے کے لئے ۲۸/شعبان (۲۹/جولائی ۱۹۴۶ء) میں دہلی تشریف لے گئے۔اور مرکز کی مسجد میں پورے مہینہ کا آپ نے اعتکاف فرمایا۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے تقریباً چالیس احباب کے ساتھ آخری عشرہ کا اعتکاف کیا۔(سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد اول ص:۱۲۸)

یہ رمضان المبارک (۱۳۶۵ھ) نظام الدین میں باغ وبہار بن کر آیا تھا۔ساری مسجد ذکر وتلاوت سے گونجتی رہتی تھی۔ایک ہی وقت خانقاہ بھی تھی۔مدرسہ بھی۔ ہر چھوٹا بڑا سارا دن اور ساری رات بس ذکر وتلاوت میں گذارتا۔کوئی ایک قرآن روز پڑھتا،کوئی اس سے کم یا زیادہ۔حضرت شیخ الحدیث اور مولانا محمد یوسفؒ کی عبادت وریاضت،مجاہدہ اور تلاوتِ قرآن کا پوچھنا ہی کیا۔کوئی لمحہ ایسا نہ گذرتا جس میں یہ بزرگ خالی بیٹھے ہوں۔پورے رمضان کی راتوں میں سونا خارج از بحث تھا،دن کو چند گھنٹے سو لیتے پھر شب وروز عبادت میں گذار دیتے'' (ایضاً ص:۱۲۸،۱۲۹)

۱۳۸۳ھ کے رمضان کے بارے میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے ایک تفصیلی خط حضرت شیخ کے نام سہارنپور تحریر فرمایا تھا۔اس میں تحریر فرماتے ہیں——

''اس رمضان میں شروع ہی سے اس قدر ہجوم اور کثرت واردین کی رہی کہ سفر کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے۔میوات و دوآبہ کے علاوہ دور کے صوبوں کی آمد بہت کثرت سے رہی۔ اب بھی اعتکاف میں ایک سو نفر بیٹھے ہوئے ہیں اور بہت سے مسجد میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے اعتکاف نہ کر سکے۔بحری جہاز کی طرح معتکفین کو جگہ تقسیم کی گئی''۔(سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد اول ص:۱۴۰-۱۴۱)

مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ماہِ مبارک کے معمولات:

رمضان المبارک کے جو قدردان ہوتے ہیں،ان کے مجاہدات وعبادات اور معمولات اس ماہ مبارک میں بہت بڑھ جاتے ہیں۔ **۱۳۵۲ھ کے رمضان میں** ——جبکہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی عمر صرف سترہ سال تھی—— اپنے معمولات کے بارے میں حضرت شیخ کو تحریر فرماتے ہیں——

''آج تک تو اپنا دستور العمل یہ رہا کہ عشاء کے بعد چائے اور اس کے بعد ایک منزل پڑھنی،پھر کل والے سپارہ کو ایک دفعہ پڑھنا،اس کے بعد ڈیڑھ بجے تک لکھنا،دو سے تین تک اس سپارہ کو تہجد میں پڑھ کر استغفار و درود کی تسبیح پڑھنا،ساڑھے تین بجے سے پونے پانچ بجے تک ڈیڑھ سپارہ کو تین دفعہ پڑھنا،پونے پانچ بجے سے سوا پانچ بجے تک سحری،پھر نماز،بعد نماز تا طلوع شمس جو کچھ کام باقی ہو اس کو پورا کر کے سوم کلمہ کی تسبیح پڑھنا اور بعد طلوع فجر اشراق کی نماز پڑھ کر سو رہنا،ظہر کے بعد ایک دفعہ سپارہ کو کہہ کر سنانا۔(اذانِ مغرب کے بعد) نمازِ مغرب سے قبل چائے وکھانے سے فارغ ہو کر نماز کے بعد اس ڈیڑھ سپارہ کو صلوٰۃ الاوابین میں پڑھنا،پھر تراویح۔رات قرآن شریف ختم ہو گیا،آج دوسرا قرآن شروع کرنے کا ارادہ ہے۔حق تعالیٰ کامیاب فرماویں''۔(سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد اول،ص:۱۲۳)

یہ معمولات تو اس رمضان المبارک کے ہیں جب آپ ابھی امیر نہیں بنے تھے بالکل نوجوان تھے،جوانی وامارت کے ۱۳۵۲ھ تا ۱۳۷۷ھ کے رمضان المبارک کی کیفیات ومعمولات کا ذکر طوالت کا سبب ہوگا۔اس لئے صرف آپ کی حیات کے آخری رمضان (۱۳۸۴ھ) کے معمولات یہاں تحریر کئے جا رہے ہیں۔یہاں پر ایک بات یہ بھی عرض کرنی ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا رمضان

المبارک میں سفر نہ کرنے کا معمول تھا۔ آج کوئی اعتکاف میں بیٹھ جائے تو اس کو نگاہِ حقارت سے دیکھا جانا اور ''افضل و تفضیل'' کا مسئلہ کھڑا کرنا کام میں انتشار و خلل پیدا کریگا۔ ہاں کوئی شدید تقاضا آجائے دین کے لئے نکلنے کا تب ایسا شخص ضرور خدا کے راستے میں جائے، اس میں کوئی اشکال نہیں، تاہم اگر اس طرح کا کوئی شدید تقاضا نہ ہو تو اس ناچیز کے خیال میں پرانوں کے لئے اعتکاف کرنا ہی زیادہ مناسب ہوگا۔ اس لئے کہ سال بھر دعوتی تقاضوں میں یکسوئی اور اپنے دل کی صفائی کا موقع نہیں ملتا۔ اور سب سے بڑے داعی، داعی اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعتکاف کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان کی ہوں اور خود اعتکاف کا اہتمام کیا ہو تو سارے ہی دین کی محنت کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اعتکاف کا اہتمام فرمائیں۔

حضرت مولانا محمد یوسفؒ کا بھی معمول اپنے رفقاء کے ساتھ اعتکاف کا رہا ہے۔ اور آپ کا اکثری معمول ماہِ مبارک میں سفر کا نہیں تھا۔ آپ کی حیات کے آخری رمضان کے معمولات یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔

''نمازِ فجر اذان ہونے کے بعد ادا کر لی جاتی اور پھر مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا ڈھائی تین گھنٹے طویل بیان ہوتا...... تشکیل سے فراغت کے بعد مولانا اپنے حجرے میں نوافل پڑھ کر کچھ دیر قرآن پاک دیکھ کر تلاوت فرماتے۔ تقریباً گیارہ بجے پھر مسجد میں تشریف لا کر دعا فرماتے، اور جماعتوں کو رخصت کرتے۔ اسی طرح جو جماعتیں اپنا وقت گذار کر واپس مرکز میں آئی ہوئی ہوتیں، ان سے بھی مصافحہ و ملاقات فرماتے۔ اس کے بعد حسبِ گنجائشِ وقت آرام فرماتے۔ اذانِ ظہر پر بیدار ہو کر نماز کی تیاری ہوتی۔ رمضان المبارک میں چونکہ سفر نہ کرنے کا معمول تھا اس لئے پانچوں نمازوں کی امامت

خود فرماتے۔ نمازِ ظہر سے فارغ ہو کر حافظ محمد شفیع صاحب کو تراویح میں پڑھانے والا سپارہ سناتے۔ بعد ازاں خصوصی خطوط کے جوابات لکھواتے۔ یہ سلسلہ عصر کی اذان پر ختم ہوتا۔ نمازِ عصر کے بعد کچھ دیر کے لئے گھر میں تشریف لاتے۔ والدہ محترمہ، اہلیہ محترمہ اور خاندان کی دیگر مستورات سے ملاقات، مزاج پرسی اور خانگی امور پر بات چیت فرماتے۔ غروبِ آفتاب سے دس منٹ قبل، قبلہ رو ہو کر متوجہ الی اللہ ہو جاتے۔ روزہ افطار کرنے کا معمول حجرہ میں تھا، جس میں ۱۵-۲۰ کی تعداد میں مخصوص احباب اور خدام کی شرکت ہوتی۔ نمازِ مغرب سے قبل ہی افطاری کھانا اور چائے سے فراغت ہو جاتی۔ نمازِ مغرب کے بعد صلوٰۃ اوابین پڑھتے جس میں کم و بیش ایک گھنٹہ صرف ہوتا۔ اوابین سے فارغ ہو کر کچھ دیر آرام فرماتے، اتنے میں عشاء کی اذان ہو جاتی تو نماز تراویح کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ اطمینان اور ترتیل کے ساتھ قرآن پاک پڑھنے کے عادی تھے، جس کی بنا پر دو گھنٹے میں تراویح پوری ہوتی تھی۔ وتر سے فارغ ہو کر کچھ دیر کے لئے حجرے میں تشریف فرما ہوتے۔ مولانا معین الدین بلند شہری اس وقت کوئی مقوی خمیرہ یا دوا کھلاتے۔ اس کے بعد پھر مسجد میں آکر کتاب حیات الصحابہ اور اس کا ترجمہ سنا کر اس کی توضیح و تشریح فرماتے۔ کتاب سے فارغ ہوتے ہوتے تقریباً آدھی رات گذر جاتی۔ بمشکل ڈیڑھ دو گھنٹے آرام کے بعد نماز تہجد میں مصروف ہو جاتے اور اس سے فارغ ہو کر سحری تناول فرماتے''۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد اول ص ۱۴۲-۱۴۳)

حضرت جی سوم حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ اور تزکیہ واحسان

حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ کی بیعت:

دعوت وتبلیغ کے تیسرے امیر حضرت جی مولانا محمد انعام الحسنؒ (۸ر جمادی الاول ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۰ر فروری ۱۹۱۸ء - ۱۰ر محرم ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۰ر جون ۱۹۹۵ء) ہوئے۔

''آپ ۱۹۳۰ء (۱۳۴۹ھ) میں حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی خدمت میں نظام الدین پہنچ گئے تھے اور اسی وقت سے گویا آپ کے زیر تربیت تھے۔ لیکن بیعت کا تعلق تقریباً پانچ چھ سال بعد قائم کیا۔ خود فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ ابھی تک بڑے حضرت جی سے بیعت نہیں ہوئے تو فرمایا کہ میں تو سمجھتا تھا کہ تم دونوں (مولانا یوسف اور مولانا انعام الحسن) بیعت ہو چکے ہونگے۔ بہر حال اب دیر نہ کرو۔ چنانچہ ہم لوگوں نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے منظور فرما کر پہلے خود غسل فرمایا اور پھر خوشی کے ساتھ بیعت فرمالیا۔ اور فرمایا ——— اللہ مبارک کرے اور انشاء اللہ مبارک ہی ہے ———.........

حضرت مولانا (محمد الیاسؒ) نے بیعت کے بعد دونوں حضرات کو پاس انفاس تعلیم فرما کر مولانا محمد یوسف صاحب کو اسم ذات تین ہزار اور مولانا محمد انعام الحسن صاحب کو بارہ ہزار تلقین فرمایا۔ اس کے علاوہ اورادِ مسنونہ، حزب الاعظم اور حصن حصین پڑھنے کی تاکید کی''۔

(سوانح مولانا محمد انعام الحسنؒ جلد اول ص:۲۲۳)

حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کا ذکر کا اہتمام:

''بیعت کے ذریعہ روحانی تعلق قائم ہونے کے بعد آپ نے اس راہ میں بڑی جانفشانی بلکہ جاں سوزی اور جانکاہی کا ثبوت دیا۔ اور اپنے آپ کو ہمہ تن دعوت وتبلیغ اور اذکار واوراد میں مصروف ومشغول کر دیا۔ ذکر اسم ذات جس کی ابتداء بارہ ہزار سے ہوئی تھی، آہستہ آہستہ بڑھا کر ستر ہزار کی مقدار تک پہنچادیا۔ ایک طویل عرصہ تک یہ معمول رہا کہ مقبرہ ہمایوں میں (جو قریب ہی میں قلعہ نما ایک عمارت ہے) چلے جاتے اور ایک گوشہ میں بیٹھ کر اپنا ذکر اور معمولات پورے کرتے۔ بسا اوقات یہ نشست سات سات گھنٹے طویل ہو جاتی تھی۔ اس طویل نشست میں ذکر خفی اور پاس انفاس پر پوری توجہ صرف فرماتے...... معمولات میں آپ کا ایک محبوب ترین عمل اور وظیفہ تلاوتِ قرآن پاک بھی تھا.... جس کی یومیہ مقدار پندرہ سولہ پارے ہو جاتی تھی...... ماہِ رمضان میں تلاوتِ قرآن پاک میں غیر معمولی بلکہ محیر العقل حد تک اضافہ ہو جاتا۔ حضرت شیخ کی تحریر کے مطابق ایک مرتبہ رمضان المبارک میں اکسٹھ قرآن پاک آپ نے ختم فرمائے تھے''۔

(سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد اول ص:۲۲۳_۲۲۴)

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے دو چراغ:

تزکیہ وتربیت کے متعدد مراحل سے گذارنے کے بعد حضرت مولانا محمد یوسفؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب پر، حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ایک موقع پر یہاں تک ارشاد فرمایا تھا کہ ——— حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے لئے جیسے مولانا محمد قاسم صاحب ومولانا رشید احمد صاحب تھے، ایسے ہی میرے

لئے یہ یوسف وانعام ہیں"۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد اوّل ص: ۲۲۷)

حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کو اجازت وخلافت:

مسلسل محنت ومجاہدہ کے ذریعہ آپ اس مقام پر پہنچ گئے کہ آپ کو اجازتِ بیعت اور خلافت، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی طرف سے عطا ہوئی۔

"حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اپنی حیات کے آخری دن ۱۲/جولائی ۱۹۴۴ء چہارشنبہ میں علماء ومشائخ کی موجودگی میں ان چھ اصحاب کو اجازت دی..... اس موقع پر حضرت مولانا نے پانچوں اصحاب کے بارے میں اپنا وجدان وانشراح اور اپنے تاثرات بھی ارشاد فرمائے تھے۔ مولانا انعام الحسن صاحب کے بارے میں ان الفاظ کے ساتھ اپنا تاثر ظاہر فرمایا کہ —— مولوی انعام بھی بہت اچھے ہیں۔ انہوں نے بھی ذکر وشغل بہت کیا ہے۔ یہ بھی اسی قبیل سے ہیں، البتہ علم کا احترام زیادہ ہے ——" (ایضاً ص: ۲۹-۲۲۸)

حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کی امارت وبیعت:

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے وصال کے بعد "حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اکابر اور جماعتی احباب سے مشورہ کے بعد حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کو تبلیغی ودعوتی امور کا ذمہ دار اور امیر بنایا اور پھر عمومی اعلان ہو کر بحیثیتِ جانشین آپ نے لوگوں کو بیعت کیا"۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد اوّل ص: ۲۷۴)

"حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی طرف سے آپ کو اجازت بیعت بیس رجب ۱۳۶۳ھ (۱۲/جولائی ۱۹۴۴ء) میں مرحمت فرمائی گئی تھی...... بائیس سال میں صرف تین اشخاص کو بیعت کر کے آپ نے سب سے پہلی عمومی بیعت تین ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ (۱۳/اپریل

۱۹۶۵ء) میں امیر جماعت تبلیغ منتخب ہونے پر فرمائی۔ اور پھر اس کے بعد یہ سلسلہ ہر گذرے ہوئے دن کے مقابلہ میں وسیع اور دراز ہوتا چلا گیا۔ قیام گاہ پر روزانہ خواص وعوام کا بڑا مجمع آتا اور بیعت ہو کر واپس جاتا۔ اسی طرح آپ کا ہر سفر بھی آہستہ آہستہ ارشاد وہدایت کی لائن سے ہزاروں افراد کی اصلاح وتربیت اور رجوع الی اللہ کا ذریعہ بننے لگا"۔

(سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم، ص: ۳۲۹)

"حضرت مولانا کا دورِ امارت اس اعتبار سے بھی بڑا عہد آفرین اور انقلاب انگیز ہے کہ اس میں ایک خلقِ کثیر نے آپ سے عقیدت وارادت اور رشد وہدایت کا تعلق قائم کر کے، اپنے دامن کو آپ کے دامن سے وابستہ کیا۔ اور پھر آپ سے روحانی وایمانی تربیت حاصل کی۔ عہدِ امارت کے پورے بتیس سالہ دور میں عوام وخواص کے طبقات کا جس انداز سے آپ کی طرف رجوع ہوا اس سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے قائم کردہ اس سلسلۂ روحانیت کو تمام طبقات میں ایسی زبردست وسعت وہمہ گیری حاصل ہوئی کہ آج —— "بیعت کی ہم نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر انعام کے واسطے سے ——" کی گونج دنیا کے تمام براعظموں میں سنائی دے رہی ہے"۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم ص: ۳۳۰)

بیعت وطریقت کے متعلق حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کے بصیرت افروز خیالات:

بیعت اور سلوک وتصوف کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟؟—— اس کے متعلق حضرت جیؒ کی نہایت فقیہانہ توضیحات اور تشریحات کو ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں:

"حضرت مولانا کا معمول تھا کہ بیعت سے قبل اس کی ضرورت و افادیت اور نافعیت پر ضرور کچھ روشنی ڈالتے اور پھر کلماتِ بیعت ادا فرماتے تھے تاکہ بیعت ہونے والوں کو اس کی اہمیت کا احساس ہو اور وہ اس کو صرف ایک رسم ورواج یا کوئی معمولی چیز نہ سمجھ بیٹھیں۔ ایسے مواقع پر فرمائے گئے کچھ اہم ارشادات یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔۔۔۔

ایک موقع پر بیعت کو محنت اور قول وقرار سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا۔۔۔ بیعت میں آخرت کی زندگی بنانے کا قول وقرار ہے کہ ہم ان چیزوں سے بچیں گے جو آخرت میں نقصان پہنچائے اور جن کو گناہ کہتے ہیں اور جماعتوں میں نکل کر ان سے بچنے اور مفید عمل کرنے کی مشق کریں گے۔ معاملہ اللہ سے ہے، بیچ والا تو صرف واسطہ ہے۔ آدمی پہلے بیعت کرے پھر زبان سے کہے پھر عمل کرے۔۔۔

دوسری مجلس میں اس اجمال کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں ۔۔۔ بیعت ایک محنت کا قول وقرار ہے۔ وہ یہ کہ اللہ کی ناراضگی والے عمل سے بچیں گے۔ جو اس عہد کو توڑیگا اس کا نقصان اسی کو ہوگا فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ۔ (سورۂ فتح، آیت ۱۰ پ ۲۶، ع ۹)

ہر انسان کے اوپر خدا کے چار قسم کے احکامات ہیں۔ ایک عبدیت دوسرے تقاضائے بشریت۔ تیسرے خلافتِ الٰہیہ اور چوتھے نیابتِ انبیاء۔ یہ چار قسم کے احکامات ہیں۔ ان میں اول حکم عبدیت ہے، جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔ دوسرے تقاضائے بشریت جیسے کھانا پینا، مکان، تجارت، نکاح، کھیتی باڑی وغیرہ۔ تیسرے خلافتِ الٰہیہ جیسے رحم، ہمدردی، سخاوت، خدمت، عیب کا چھپانا وغیرہ۔ چوتھے نیابتِ انبیاء جیسے دعوت اور امر بالمعروف وغیرہ۔ ان چاروں احکامات کو پورا کرنا ہر آدمی کی اصل ذمہ داری ہے۔

نیابتِ انبیاء والے احکامات کے ٹوٹنے کی وجہ سے عبدیت والے احکامات ٹوٹتے ہیں یا ان کی جان نکل جاتی ہے اور صرف ڈھانچہ رہ جاتا ہے۔ اسی طرح خلافت والے احکامات ٹوٹنے سے تقاضائے بشریت کی لائن کے احکامات ٹوٹتے ہیں اور اس کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ خلافت کا حکم اگر پورا نہ ہو تو تقاضاء بشریت کا توازن برقرار نہیں رہتا۔ پھر جھوٹ خوب چلتا ہے اور رشوت خوب پھیلتی ہے۔ خوب سمجھ لو کہ دو چیزوں کا دو چیزوں سے جوڑ ہے۔ نیابت کا عبدیت سے جوڑ ہے اور خلافت کا تقاضائے بشریت سے جوڑ ہے۔۔۔

ایک مرتبہ بیعت کو اپنی زندگی کا فیصلہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔۔۔ بدن سے نکلنے والے عملوں اور دل کے یقین کو ٹھیک کرنا بہت ضروری ہے۔ بیعت میں بھی آدمی اسی کا فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ کا کسی سے رشتہ نہیں ہے۔ بیعت میں جس چیز کا اقرار ہوتا ہے، تبلیغ میں جا کر اسی کو عملاً کرنا پڑتا ہے۔ اور بیعت میں جس کا اقرار کیا جاتا ہے، جماعت میں جا کر اسی کو عمل میں لایا جاتا ہے۔ اگر اقرار کر کے عمل نہ کیا جائے تو وہ اقرار ضعیف، بودہ اور مضمحل ہے۔ بیعت ہونے والے یہ سمجھ لیں کہ یہ خالی لفظی چیز نہیں ہے بلکہ یہ ایک فیصلہ ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا کا کام کرتے رہنا ہے۔ ناراضگی کا کام نہیں کرنا ہے۔ موت تک کی زندگی صحیح گذارنی ہے۔ جو جتنی محنت کریگا اس پر اس کا رنگ اتنا ہی مضبوط آئے گا اور اگر محنت نہ کرے تو دوسرے ماحول میں جا کر وہ رنگ صاف ہو جائے گا۔

ایک مجلس میں انوارات وظلمات کے درمیان تقابل بتلا کر طاعات وعبادات اور ان کے ذریعہ نسبتِ روحانیہ کے اجاگر اور چمکدار ہونے کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔۔۔ آج نفسانیت کا لشکر غلبہ

پائے ہوئے ہے۔ قلب کا لشکر 'انوارات' ہیں اور نفس کا لشکر 'ظلمات' ہیں۔ اب ہمیں محنت و کوشش کر کے قلب کے لشکر کو اور انوارات کو غالب کرنا ہے۔ اور نفسانیت کے لشکر کو مغلوب کرنا ہے۔ ریاضت، طاعت اور عبادات سے نورانیت آتی ہے۔ خدا کی طرف کا راستہ طے ہوتا ہے۔ نماز خوب رغبت سے پڑھی جائے۔ تسبیحات وتلاوت کا اہتمام کیا جائے۔ ان اعمال سے نور آ کر خدا تک پہنچنا آسان ہوگا۔ کیونکہ اصل منزل صرف خدا کی ذات سے تعلق قائم کرنا ہے۔ اور وسائط، آلات وسواریاں ہیں، منزل تک پہنچنے میں۔ بہت سے ڈاکو کھڑے ہوئے ہیں جو منزل تک پہنچنے نہیں دیتے اور وہ ڈاکو نفس کی خواہشات ہیں۔ یاد رکھو کہ نسبت تو ہر شخص میں خدا کی ہے۔ یعنی مخلوق ہونے کی وجہ سے خلق کی نسبت ہے۔ مرزوق ہے تو رزق کی نسبت ہے۔ لیکن یہ سب نسبتیں انسان کے اندر چھپی ہوئی ہیں۔ مجاہدات اور ریاضات سے اوپر کی دھول مٹی ہٹ کر وہ نسبت اجاگر اور چمکدار ہو جاتی ہے۔ اور ان ریاضات ومجاہدات میں سب سے پہلی چیز نماز ہے۔" (سوانح مولانا محمد تقی مرحسنؒ جلد سوم ص: ۳۳۲ تا ۳۳۴)

"ایک مرتبہ بیعت کی افادیت اور اس کی غرض بتلاتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا —— دوستو! بیعت ہونا کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ ہم کو اپنی زندگی پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب پر بنانی ہے۔ اللہ نے آپ کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے۔ جو شخص اس نمونہ کے جس قدر قریب ہوگا اتنا ہی اللہ جل شانہٗ کے یہاں محبوب ہوگا۔ ہم کو موت تک اس کوشش میں لگنا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکموں کے مطابق زندگی گذارنی ہے۔ رات ہو یا دن ہو، جاگنا ہو یا سونا، کھانا ہو یا پینا، ہم کو آپؐ کے حکم کے مطابق زندگی گذارنی ہے۔ بس یہ خلاصہ ہے بیعت کا۔ یہ کوئی رسم نہیں

ہے کہ پلّہ پکڑ لیا اور کافی ہوگیا۔ بلکہ ہم کو عہد کرنا ہے کہ گناہوں سے بچیں گے۔ اللہ تعالیٰ، نفس وشیطان کے طریقے پر چلنے سے ہماری حفاظت فرمائے۔ اللہ سے معافی مانگنا ہے اپنے گناہوں کو ان سے معاف کرانا ہے۔

اپنے تمام اکابر ومشائخ کی طرح حضرت مولانا بھی شریعت اور طریقت کو دو الگ الگ چیزیں نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی ان کے درمیان کسی تفریق یا حدِّ فاصل کے قائل تھے۔ بلکہ وہ شریعت کو احکاماتِ خداوندیہ کا ظاہری حصہ اور طریقت کو (جس کا ایک اہم جز بیعت بھی ہے) احکاماتِ خداوندیہ کا باطن حصہ سمجھتے تھے اور اپنی عمومی وخصوصی مجالس میں گاہ بگاہ اس کی توضیح وتشریح بھی فرما دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ بنگلور کے اجتماع میں فرمایا کہ —— احکاماتِ خداوندیہ دو طریقے کے ہیں۔ ایک وہ جو ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، معاملات میں بیع وشرا، ان کے احکام ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور دوسرے احکامات وہ ہیں جو انسان کے باطن سے تعلق رکھتے ہیں، باطن کے احکامات جیسے تقویٰ ہے، زہد ہے، رضا بالقضاء ہے، صبر وشکر ہے، حلم ہے بردباری ہے، عفو ہے، تواضع ہے، انکساری ہے، یہ بھی احکامات ہیں خدائے پاک کے۔ انہیں طریقت کہا جاتا ہے۔ طریقت، کوئی شریعت سے الگ چیز نہیں ہے۔ وہی احکامات جو شریعت نے، ظاہر کے دے رکھے ہیں وہی احکامات باطن کے بھی ہیں۔ دونوں احکامات کے پورا کرنے میں لگنا یہ ہے شریعت وطریقت۔

ایک طبقہ وہ ہے جو باطن کے احکامات پورا کرنے میں اس کے سدھارنے میں اس کو اپنے اندر لانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، وہ

اولیاء کرام کہلاتے ہیں۔ ہمارا کام ظاہر کے احکامات کو پورا کرنا ہے اس طریقہ سے کہ باطن کے احکامات اس میں اجاگر ہو رہے ہوں۔ ہم جو نماز کی، تعلیم کی، تسبیح کی دعوت دے رہے ہیں، اس کی کوشش کر رہے ہیں، اور اس کوشش میں جو کچھ اپنے اوپر پیش آرہا ہے اس پر اگر ہم صبر کر رہے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ اگر دل خوش کن بات سامنے آرہی ہو تو اس کے اوپر شکر کر رہے ہوں اور اپنے کرنے میں خدائے پاک عزاسمہ پر بھروسہ کر رہے ہوں اور پھر جو کچھ پیش آرہا ہو اس کے اوپر راضی ہو رہے ہوں تو پھر ہماری ترقی ہوگی، ہم بڑھتے چلے جائیں گے اور خدائے پاک ہمیں دین کا عامل قرار دیں گے۔ یہ ظاہر و باطن کے دونوں احکامات کو لے کر چلنا، یہی انسان کی اصل ذمہ داری ہے۔ اور اگر ظاہر کے احکامات پر محنت کرنے میں اپنے باطنی احکامات کی کوشش نہیں کی تو اس سے رذائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے ظاہر کے منہیات ہیں مثلاً جھوٹ ہے، غیبت ہے، چوری، شراب خوری، بدکاری ہے اور یہ سب چیزیں ممنوع ہیں۔ ایسے ہی باطن کے بھی منہیات ہیں جیسے تکبر ہے، تحقیر ہے، غیبت ہے، عجب ہے، اپنی بڑائی کی عادت ہے۔ یہ چیزیں باطن کی ممنوعات ہیں۔ اگر ہم اپنے باطنی احکامات کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کریں گے تو پھر یہ باطنی منہیات ابھریں گے اور یہ منہیات ابھریں گے تو پھر ظاہر کے احکامات کی بھی جان نکل جائے گی''۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم ص ۳۳۵ تا ۳۳۶)

حضرت جی مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کا طریقۂ بیعت:

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی بتایا جائے کہ حضرت جی کہاں کہاں

بیعت کرتے تھے اور ان کی بیعت کا طریقہ کیا تھا۔

''حضرت مولانا کی ایک بیعت تو وہ ہوتی تھی جو اجتماعات کے وقت باقاعدہ جلسہ گاہ میں منبر پر بیٹھ کر فرماتے تھے۔ اس میں عمومیت ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اجتماع میں شریک غیر مسلم بھی وہ کلمات بیعت دہرا لیا کرتے تھے۔ لیکن یہ بیعت صرف میوات تک محدود تھی۔ شاذ و نادر کسی اور گاؤں، دیہات میں بھی ہو جاتی تھی۔

دوسری بیعت وہ تھی جو اجتماعات میں اپنی قیام گاہ پر ہوتی تھی۔ شہری اور علاقائی اجتماعات میں اس کام کے لئے مغرب بعد کا وقت متعین تھا۔ حضرت مولانا اوابین سے فارغ ہو کر اس مجلس میں تشریف لاتے اور بیعت فرماتے۔ مولانا محمد بن سلیمان جھانجھی پہلے سے اس مقصد کے لئے آنے والوں کو بیعت کے آداب اور اس کے اصول بتلا دیا کرتے تھے۔

تیسری بیعت وہ تھی جو حضرت مولانا، مرکز نظام الدین میں روزانہ صبح کے وقت (جماعتوں کی روانگی کے بعد) اپنے حجرہ میں فرمایا کرتے تھے۔ بیعت ہونے والے (مرد و مستورات) الگ الگ دو کمروں میں جمع ہو جاتے۔ مستورات کے لئے زنانہ مکان کا ایک کمرہ متعین تھا، وہاں تک آواز مائیک کے ذریعہ پہنچ جاتی تھی۔'' (سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم ص: ۳۳۷)

''حضرت مولانا کی بیعت کا طریقہ یہ تھا کہ ایک بڑی رسی (اور کبھی بڑا رومال یا چادر وغیرہ) کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں تھام لیتے اور بیعت ہونے والے اس کو اپنے دونوں ہاتھ سے مضبوطی سے پکڑ لیتے۔ بعد ازاں آپ چند کلمات، بیعت کی حقیقت پر فرما کر خطبۂ مسنونہ پڑھتے۔ پھر عہد و پیمان کراتے۔ اس کے بعد پڑھنے کے لئے اوراد و

وظائف بتلا کر دعا کرا دیتے''۔(سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم ص ۲۳۹)

بعدِ بیعت حضرت جیؒ کی تعلیمات:

جس طرح کہ اوپر مذکور ہوا، بیعت ایک نری رسم نہیں ہے۔ یہ عمل کا تقاضہ ہے۔ اسی لئے اس راستہ کے تمام شیوخ کا یہ معمول رہا ہے کہ بیعت کے بعد مریدوں کو چند باتوں کی تعلیم کیا کرتے تھے۔ حضرت جیؒ بھی اپنے سے وابستہ ہونے والوں کو چند باتوں کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ اور یوں فرماتے ـــــ

بس بھائیو دیکھو جن چیزوں سے توبہ کی ہے ان سے بچتے رہیں، یہ بڑے بڑے گناہ ہیں۔ اگر ان سے بچتے رہو گے اور یہ پانچ عمل کرتے رہو گے تو انشاء اللہ بھلے بندے بن جاؤ گے۔

پہلی چیز جو ہر مسلمان کے لئے ہے وہ نماز ہے۔ پانچ وقت کی فرض نمازوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کرو۔ اور نماز کسی جانکار کو سنا کر صحیح صحیح یاد کر لو۔ اور چار وقت کی نفلیں ہیں۔ تہجد، اشراق، چاشت، اوابین۔ جہاں تک ہو سکے ان کا اہتمام کرو۔

دوسری چیز اللہ کا ذکر ہے۔ جس میں تین تسبیح صبح کو اور تین تسبیح شام کو، دھیان سے جی لگا کر پڑھو۔ ایک تسبیح سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ـــــ اور ایک تسبیح درود شریف کی ـــــ ایک تسبیح استغفار کی ـــــ یہ تین تسبیح صبح کو اور تین شام کو پڑھنی ہے۔

تیسری چیز قرآن پاک کی تلاوت ہے۔ جو بھائی قرآن پاک پڑھے ہوئے ہیں وہ روزانہ تلاوت کریں اور جو پڑھے ہوئے نہیں ہیں وہ روزانہ سیکھنا شروع کریں۔

چوتھی چیز یہ فضائل کی کتابیں ہیں۔ ان کو اپنی اپنی مسجدوں میں

کسی نماز کے بعد تھوڑا تھوڑا اہتمام سے سنتے رہو۔

پانچویں چیز گشتوں کا کرنا ہے۔ ہر آٹھ دن میں یہ گشت اپنی بستی میں جماعت بنا کر کرتے رہو۔ مہینے میں تین دن کی جماعت بنا کر آس پاس کی بستیوں میں جاتے رہیں اور سال میں کم سے کم ایک چلّے کے لئے نکلتے رہیں ـــــ

عورتوں کے ذمہ جماعت نہیں ہے وہ اپنے اپنے وقت میں اہتمام سے نماز پڑھیں۔ اور جماعت میں نکلنا بھی نہیں ہے، لیکن ملنے جلنے والیوں سے اپنے دین کی، ایمان کی، کلمہ کی، نماز کی، قرآن کی، جنت کی، دوزخ کی، آخرت کی باتیں کرتی رہیں۔ بیکار بات کرنے سے دل مردہ ہوتا ہے اور گھروں سے برکت جاتی رہتی ہے، اور دین کی ایمان کی باتیں کرنے سے دل زندہ ہوتا ہے گھروں میں برکت آتی ہے۔ اور اپنے شوہروں کو رشتہ داروں کو جماعت میں بھیجنے پر آمادہ کریں۔ اللہ قبول فرمائے۔ آمین۔'' (سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم ص:۲۳۹)

معمولات کی پابندی اور اس کا اہتمام:

بیعت کے ذریعہ ''اپنے حلقۂ ارادت'' کو بڑھانا ہی مشائخ کا مقصود نہیں ہوتا بلکہ خدا کے بندوں کو خدا سے جوڑنے کی پوری فکر و کوشش ہوتی ہے۔ اس لئے وابستگان کی اس بارے میں رہنمائی کرنا اُن کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ تمام مشائخ کی طرح حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ بھی اس بارے میں بڑے فکر مند تھے، ان کی اس طرح کی فکرمندی اور دلسوزی کو ذیل کے اقتباسات میں پڑھئے ـــــ

''حضرت مولاناؒ اپنے سے تعلقِ بیعت رکھنے والوں کو معمولات میں سستی و کاہلی سے بچنے پر نیز یکسوئی کے ساتھ دعوت و دعا، تلاوت ونوافل اور ذکر و استغفار میں لگے رہنے پر بھرپور انداز سے متوجہ فرماتے

تھے۔ اور اس راہ کی محنت و مجاہدے پر ہمت بندھاتے ہوئے بتدریج ان کو آگے بڑھاتے رہتے تھے۔

جو لوگ حضرت مولانا سے سلسلۂ ارادت قائم کر لیتے، ان کے بارے میں آپ کی پوری کوشش اور توجہ یہ رہتی کہ وہ اپنے اجتماعی اور انفرادی معمولات پورے اہتمام کے ساتھ ادا کریں۔ اس میں کسی قسم کی سستی اور غفلت نہ آنے دیں۔ فرماتے تھے کہ اجتماعی معمولات، انفرادی معمولات کے لئے معین و مددگار بنتے ہیں اور انفرادی معمولات کی پابندی واہتمام اجتماعی معمولات کے اندر قوت وطاقت پیدا ہونے کا سبب ہے ـــــ اسی طرح فرمایا کرتے تھے کہ دن میں وجود میں آنے والے اجتماعی اعمال (گشت، دعوت وغیرہ) کے لئے رات میں انفرادی اعمال (ذکر، گریہ وزاری اور دعاء) کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ اگر اس میں کچھ کمی کوتاہی ہو جائے تو توبہ واستغفار سے اس کو پورا کرلیا کریں"۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم ص:۳۴۳)

سلوک واحسان کے بارے میں آپ کے مکتوبات:

حضرت مولاناؒ، خطوط کے ذریعہ بھی اپنے وابستگان کو اپنے اصلاحِ حال کی طرف برابر متوجہ فرماتے تھے۔

"حضرت مولانا اپنے وابستگان کو سلوک واحسان کی اس راہ پر جس شفقت ومحبت اور حسنِ اعتدال کے ساتھ چلاتے تھے اس کا اندازہ ذیل میں دئے ہوئے بعض مکاتیب کے اقتباسات سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ ان مکاتیب میں باطنی اصلاح وتربیت کے حوالہ سے بہت سے کارآمد نکتے اور مفید باتیں بھی قارئین کے علم میں آجائیں گی۔"

(سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم ص:۳۴۴)

ایک طالب علم کو تحریر فرماتے ہیں ـــــ "صحابۂ کرام کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے۔ اب زیادہ سوچنا چھوڑو۔ تبلیغ کے کام کو بھی پورے اصول سے شروع کردو اور اپنی تعلیم میں مصروف ہوجاؤ۔ ورنہ کہیں تم اس غفلت میں نہ رہو کہ میں تبلیغ کر رہا ہوں۔ تبلیغ کا کام تو بھئی اپنی اصلاح کے لئے ہے۔ اپنی ہی اصلاح نہیں تو تبلیغ کیسی؟"

(سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم، ص:۳۴۵)

اپنے ایک اور اہلِ تعلق کو تحریر فرماتے ہیں ـــــ "آپ ماشاء اللہ بڑے ہیں۔ اللہ پاک نے سمجھ دی ہے۔ ہمت کو کام میں لائیں، اور اس ماہِ مبارک میں روزہ، نماز، تسبیحات وتلاوت اور صدقہ وخیرات، تعلیم وگشت ان اعمال کا خوب اہتمام کرتے رہیں۔ اور خدا کرے کہ کم از کم ایک چلہ کا وقت فارغ کر کے کسی جماعت میں قریب یا دور کی طرف نکل جائیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے امید ہے کہ اللہ کے راستے کے مبارک ماحول میں ان سب اعمال کا شوق ورغبت کے ساتھ پورا کرنا آسان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے" (ایضاً جلد سوم ص ۳۴۷)

جناب فاروق احمد عرف ابوالحسن صاحب بنگلور کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ـــــ "آپ کا خط ملا۔ احوال وکوائف معلوم ہوئے۔ معمولات کی پابندی کی کوشش مبارک ہے۔ امید ہے کہ دعوت کے مقامی اعمال میں بھی خوب فکر واہتمام کے ساتھ کوشش کر رہے ہونگے۔ وساوس کی طرف بالکل دھیان نہ دیں، ان کی پرواہ نہ کریں، اپنے کام میں لگے رہیں۔ آپ نے مزید ذکر کے لئے پوچھا ہے۔ 'اَللّٰہُ اللّٰہ' تین ہزار مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ اَللّٰہُ اللّٰہ ایک مرتبہ شمار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنا تعلق نصیب فرمائے اور اخلاص واستقامت کی دولتوں سے بھی مالا مال فرمائے"۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم ص:۳۴۷)

ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں—— ''.......امید کہ معمولات کی پابندی فرماتے ہونگے۔ بیعت صرف نام کے لئے نہیں بلکہ کام کے لئے ہے۔ نمازوں، تلاوت، تسبیحات کی پابندی کے ساتھ دونوں تعلیم، گشتوں، تین دن اور چلّہ کی خود پابندی فرماتے ہونگے اور دوسروں کو ان کے لئے تیار کرتے ہوں گے۔ اللہ توفیق دیں، مدد کریں، آسان فرمائیں''۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم ص:۳۵۰)

ایک اور مکتوب میں ایک جگہ بیٹھ کر پوری یکسوئی کے ساتھ ذکر کرنے کو بہتر بتاتے ہیں۔——

''خط موصول ہوا۔ احوال سے مطلع ہوا۔ آپ نے تسبیح وغیرہ میں دھیان نہ لگنے کی شکایت کی۔ پہلے جو طریقہ دھیان کا بتایا تھا اسی پر عمل کرتے رہئے۔ انشاء اللہ کچھ دنوں بعد دھیان اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ نیز تسبیحات ایک جگہ بیٹھ کر ہی یکسوئی کے ساتھ پڑھی جائے تو بہتر ہے اور اس کے لئے ایک وقت مقرر کر لیں تو بہت بہتر ہوگا۔ نیز ایک وقت مقرر کر کے اس دھیان سے پڑھے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں اور اس کے بعد کون سا لفظ آتا ہے۔ یا اگر تسبیحات کے معنی معلوم ہوں تو ان کے دھیان سے پڑھے۔ چھوٹا درود شریف ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے جو بتایا گیا ہے۔ اور اگر ہو سکے تو دھیان کے لئے یکسوئی کو بہت دخل ہے۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے اس کی مشق کرنے کے لئے جماعت میں نکلا کیجئے۔ مقامی کام میں—— تعلیم وگشت اور مہینے کے تین دن میں برابر جڑتے رہئے۔ نیز اپنے قبضہ میں جو کام ہے (اس کو کرتے رہیں) برابر تسبیحات پڑھتے رہئے''۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحب جلد سوم ص:۳۵۱)

''........ذکر بالجہر کو دوبارہ شروع کرنے کا عزم وارادہ بھی معلوم ہوا۔ اس کے لئے بہتر وقت تو تہجد کے بعد کا ہے کہ اس وقت

یکسوئی بھی رہتی ہے اور دماغ بھی فارغ رہتا ہے۔ ورنہ جب بھی اہتمام سے پورا کر سکیں مناسب وقت مقرر کر کے پورا کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اللہ جل شانہٗ استقامت وترقی عطا فرمائے''۔

(سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم ص:۳۵۲)

''تمہارے اپنے معمولات کی پابندی کا علم ہوا۔ آپ نے مزید کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ جو معمولات چل رہے ہیں انہیں کو پابندی سے پورا کرتے رہیں۔ اور دعوت کے اعمال کا اہتمام کرتے رہیں۔ معمولات کو بڑھانے کی ضرورت نہیں کہ مدرسہ کی خدمات بھی دین ہی کے کام ہیں۔ آپ نے اپنے مدرسہ کے طلبہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بیعت ہونا چاہتے ہیں، اس کی کیا صورت ہوگی؟—— جو طلبہ بیعت ہونا چاہتے ہیں ان کے نام لکھ کر بھیج دیں، بشرطیکہ وہ اپنی خواہش وطلب سے بیعت ہونا چاہیں، تمہارے کہنے یا زور دینے سے نہ ہوں''۔

(سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم ص:۳۵۳)

بعض مرتبہ یہ زعم ہوتا ہے کہ الحمد للہ میں دین کا خوب کام کر رہا ہوں۔ اور اس میں اتنا مشغول ہوں کہ مجھے ذکر کے اہتمام کا بھی موقع نہیں ملتا۔ ایسا زعم اپنے لئے بہت خطرناک ہو سکتا ہے۔ ایک نباض ہی اس مرض کا علاج کر سکتا ہے۔

ایک مرتبہ کسی نے عرض کیا کہ—— ''حضرت دعوت کی مشغولی میں بعض مرتبہ معمولات آگے پیچھے ہو جاتے ہیں، کیا کروں؟—— حضرت اس وقت لیٹے ہوئے تھے، بیٹھ گئے اور ذرا لہجہ بدل کر فرمایا 'کیوں بھائی فجر سے پہلے کیا کرتے ہو؟' بس میں ڈر گیا اور اس روز سے بیشتر معمولات فجر سے قبل ہی پورے کرنے شروع کر دیئے۔ اب الحمد للہ حضرتؒ کی توجہ کی برکت سے میرے معمولات عموماً فجر سے قبل ہی پورے ہو جاتے ہیں۔ اللھم لک الحمد و لک

الشکر"۔(سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم،ص:۳۵۹-۳۶۰)۔

بیعت ہونے والوں کے لئے معمولات اور وظائف.

بیعت ہونے والوں کو آپ کن کن باتوں کی پابندی کی ترغیب وتعیم دیا کرتے تھے اور کون سے وظائف بتاتے تھے۔ان باتوں کا جاننا بھی نفع سے خالی نہ ہوگا۔

"طالبین ومسترشدین کے لئے آپ کے یہاں وہی سب کچھ تھا جو اپنے جملہ مشائخ اہل حق اور اصحاب معرفت کے یہاں کا معمول و دستور رہا ہے یعنی فرائض سے لیکر سنن ومستحبات تک اور تلاوت قرآن پاک سے لیکر اوراد مسنونہ تک کا اہتمام اور رذائل نفس سے حفاظت کے لئے ذکر وشغل کی پابندی۔

آپ نے اپنے مریدین ومنتسبین کے نام جو مکاتیب لکھے ہیں، ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں ان ان چیزوں کا اپنی زندگی میں داخل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

۞ بیعت میں جن چیزوں کا عہد کیا ہے ان کا اہتمام اور جن اعمال کے نہ کرنے کا عہد کیا ہے ان سے احتراز۔

۞ عبدیت، تقاضائے بشریت، خلافتِ الٰہیہ اور نیابتِ انبیاء علیہم السلام کے تعلق سے عائد ہونے والے احکامات کی حتی الامکان پابندی۔اور ان چاروں لائنوں سے آنے والے حقوق کی حتی الوسع ادائیگی۔

۞ ظاہر شریعت (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ) کا پورا پورا اہتمام کرتے ہوئے خالص اللہ جل شانہٗ کے لئے ان کی ادائیگی کا فکر۔

۞ صبح وشام کی تسبیحات (جن میں ذکر، درود شریف اور استغفار بھی شامل ہے) کا التزام واہتمام۔

۞ روزانہ قرآن پاک کی تلاوت اور گھروں میں دینی ماحول پیدا

کرنے کے لئے فضائل کی کتابوں کا سننا وسنانا۔

۞ دعوتی ماحول قائم کرنے کے لئے گشت میں جانا اور مہینہ کے تین دن اور سال کے چلّہ کا اہتمام ہونا۔

۞ مشائخ کے عام اصول اور ضابطہ کے مطابق حضرت مولاناؒ، 'ذکر جہری' کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔اور فرمایا کرتے تھے کہ —— اشغال صوفیہ میں باطن کی صفائی کے سلسلہ میں ذکر بالجہر سب سے زیادہ مؤثر شغل ہے۔(روایت جناب الحاج الاسٹر نادر علی خاں صاحب علیگ)

لیکن یہ تعلیم ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ ان ہی کے لئے تھی جن کے دماغ اور اوقات میں اس کی گنجائش ہو اور وہ پابندی کے ساتھ روزانہ اس کے کرنے والے ہوں۔

حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھپرولی) اپنا ایک واقعہ اور حضرت مولاناؒ کے بتلائے ہوئے طریقۂ ذکر کے متعلق لکھتے ہیں——

ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے عرض کیا۔حضرت مجھے کچھ پڑھنے کو بتا دیں تو برجستہ فرمایا کہ جاؤ مولوی انعام سے پوچھ لو۔میں حاضر خدمت ہوا اور سلام کے بعد اپنا مدعا عرض کیا اور کہا کہ حضرت جیؒ نے اس مقصد کے لئے بھیجا ہے۔اس پر آپ نے میری طرف ایک نظر بھر کر دیکھا اور فرمایا تم تو بیمار آدمی ہو۔مجھے آپ کی زبان سے یہ سن کر بڑا تعجب ہوا کیونکہ میں یقیناً اس وقت بیمار تھا اور اس بیماری کا کسی کو علم بھی نہیں تھا۔پھر میں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ چارزانو بیٹھو۔میں بیٹھا تو حضرت نے میرے بائیں گھٹنے کی رگ کو ذرا باہر نکلوا کر اور اپنے دونوں ہاتھوں سے میرے دائیں پیر کے انگوٹھے اور اس کے برابر کی انگلی کو کھول کر اس میں وہ رگ پکڑ وائی۔پھر

نفی واثبات تلقین کر کے اسم ذات چار سو مرتبہ اَللّٰہُ اَللّٰہ بتلایا"۔

(سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحب" جلد سوم ص: ۳۵۳ تا ۳۵۵)

اوپر کے اقتباس سے معلوم ہوا کہ طریقۂ ذکر میں رگ کیماس کو پکڑ کر ذکر کرنے کا جو طریقہ خاندانِ چشتیہ میں رائج ہے، حضرت مولاناؒ نے اس طریقہ تک کی تعلیم دی۔ طریقۂ ذکر کے دیگر امور کی بھی آپ کے یہاں کافی اہمیت تھی۔ ذیل کے اقتباس سے ان پر روشنی پڑیگی۔

"آپ کے ایک مسترشد نے نظام الدین کے قیام میں زبانی طریقۂ ذکر معلوم کیا اور پھر اپنے وطن پہنچ کر تحریری طور پر دریافت کیا تو مندرجۂ ذیل الفاظ میں آپ نے اس کی تفصیل لکھ کر بھیجی۔

خط ملا۔ حال معلوم ہو کر مسرت ہوئی۔ اللہ رب العزت استقامت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ بارہ تسبیح جو بتلائی تھیں ان کی ترتیب پھر بتلاتا ہوں۔ وہ یہ کہ سورۂ فاتحہ تین دفعہ، آیۃ الکرسی ایک دفعہ، سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھ کر اپنے چاروں سلسلوں کے حضرات کو بخشیں۔ پھر گیارہ مرتبہ درود شریف، گیارہ مرتبہ استغفار اور یاحیُّ یا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ یَا اَللّٰہُ یا اَللّٰہُ یَا اللّٰہُ اَنْ تُطَھِّرَ قَلْبِیْ عَنْ غَیْرِکَ وَاَنْ تُنَوِّرَ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ اَبَداً اَبَدًا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ تین مرتبہ پڑھ کر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دو سو مرتبہ اسی دھیان اور ترکیب سے جو کہ میں نے بتلائی تھی۔ اور ہر دس مرتبہ کے بعد مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کہہ لیں۔ اس کے بعد الا اللّٰہ چار سو مرتبہ، اس کے بعد اَللّٰہُ اللّٰہ چھ سو مرتبہ، آخر میں اَللّٰہ ایک ضربی ایک سو مرتبہ۔ آخر میں مراقبہ میں بیٹھ جائیں اور دھیان کریں کہ اللہ کا نور دل میں داخل ہو

رہا ہے۔ نیز نوافل، تلاوت وغیرہ کا اہتمام فرماتے ہوئے نماز باجماعت کی پابندی فرمائیں۔ اور مقامی کام میں ——— اہتمام سے شرکت فرماتے رہیں۔

جناب محمد صدیق صاحب (وانمباڑی) کو چند مزید ہدایات کے ساتھ 'ذکرِ جہری' کی تعلیم اس طرح دیتے ہیں ———

آپ نے جو مزید ذکر کو پوچھا ہے تو اگر آپ پابندی سے کر سکتے ہیں اور ناغہ نہ ہو اس لئے کہ ناغہ ہونے کی صورت میں جسمانی وروحانی تکلیف بڑھنے کا اندیشہ ہے تو آپ باوضو چار زانو بیٹھ کر ان تسبیحات کو پڑھیں۔ اول و آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف اور گیارہ گیارہ بار استغفار اور شروع میں تین مرتبہ چوتھا کلمہ پھر دو سو مرتبہ لا الٰہ الا اللّٰہ اس طرح کہ ہر دسویں بار مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کہیں۔ پھر چار تسبیح الا اللّٰہ کی پڑھیں۔ پھر چھ تسبیح اَللّٰہُ اللّٰہ اور پھر ایک تسبیح اَللّٰہُ اَللّٰہُ کی اس طرح کل تیرہ تسبیح ہوئیں۔ اور اول و آخر جو پڑھنے کو بتایا ہے اس کو پڑھیں۔ بہتر ہے کہ اگر وہاں کوئی جاننے والا ہو تو اس سے پڑھنے کا طریقہ معلوم کر لیں۔ نیز مقامی اعمال میں اہتمام سے شرکت فرماتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں، آسان فرمائیں"۔

(سوانح مولانا محمد انعام الحسن جلد سوم ص: ۳۵۵ تا ۳۵۷)

ذکر کے بارے میں حضرت جیؒ کے خیالات:

ذکر کی لائن کو حضرت جیؒ کس نظر سے دیکھتے تھے اور اس کی کتنی قدر واہمیت ان کی نگاہ میں تھی اور انہوں نے کتنے اہتمام سے ذکر کی لائن میں مجاہدہ کیا ہے یہ سب کچھ اپنی اپنی جگہ پر اوپر کی تحریر میں آ گیا ہے۔ اب مزید کچھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے لیکن یہاں ذکر کے بارے میں حضرت جیؒ کے چند آراء کا تحریر کیا

جانا بھی مفید ہوگا۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا ——

''بارش کا پتھر پر اثر نہیں ہوتا، زمین پر ہوتا ہے۔ دل کی سختی پتھر سے زیادہ سخت ہے۔ دل نرم ہوگا تو بات اثر کریگی۔ اللہ کا نام لینے سے دل نرم ہونگے تو جنت و دوزخ کی بات دل میں اثر کریگی۔ دل میں نرمی لانے کے لئے اللہ پاک کا نام لینا ہے۔ تسبیحات کی پابندی کرنی ہے''۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم، ص:۱۵۷)

''اجتماعی وانفرادی اعمال اللہ جل شانہٗ کے ذکر کے ساتھ اور اللہ کے وعدوں پر یقین کے ساتھ اگر کئے جائیں تو اس سے ہمارے اندر نور کی کیفیت پیدا ہوگی''۔ (ایضاً جلد سوم، ص ۱۵۸)

''ذکر میں سب سے اونچی چیز لا الٰـہ الا اللّٰہ ہے۔ لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ اس پر خدا کے یہاں سے کیا ملتا ہے۔ ساری دنیا کو سونے سے بھر دیا جائے تو اس سے آدمی دوزخ سے نہیں بچ سکتا۔ لیکن اس کلمہ کو سچے دل سے کہنے پر وہ دوزخ سے بچ جائے گا''۔ (ایضاً جلد سوم ص.۱۵۸)

''فرمایا —— ہر چیز کا ایک ظاہر ہے، ایک باطن۔ ذکر کا ظاہر تسبیح پڑھنا ہے اور اس کا باطن یہ ہے کہ جو پڑھ رہا ہے اس کا دھیان ہو''۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم ص:۱۵۷)

''فرمایا —— ذکر کا اہتمام کیا جائے۔ جتنا ذکر اہتمام سے کیا جائے گا اتنا دھیان پیدا ہوگا اور جتنا دھیان پیدا ہوگا اتنا ہی خدا کا حکم پورا کرنے کی فکر ہوگی۔ اور جتنی فکر ہوگی اتنا ہی صحیح کرنے کا خیال ہوگا''۔ (ایضاً جلد سوم ص:۱۵۸)

اور رپیہ کوٹ میں اجتماع کے موقع پر احقر (قطب الدین ملاّ) اپنے ایک دوست

کو جو حضرت جیؒ سے بیعت تھے لیکر حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ حضرت یہ آپ سے بیعت ہیں اور ذکر معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ حضرتؒ نے بارہ تسبیح پڑھنے کا طریقہ بتایا۔ اور اہتمام سے ذکر کرنے کی ترغیب دی لیکن ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ ''دیکھو بھئی آدمی بڑے کا ذکر کرتے کرتے خود کو بڑا سمجھنے لگتا ہے۔ خیال رکھنا'' —— حضرت جیؒ کی کتنی باریک نگاہ تھی کہ جہاں عام طور پر کسی کی نگاہ نہیں جاتی ان حقیقتوں کو بھی دیکھ لیتے تھے۔

حضرت جیؒ کی فکروں کی وسعت واعتدال:

فکروں کی وسعت یہ ایک بڑی دولت ہے۔ جس کی وجہ سے امت میں اتحاد پیدا ہوتا ہے اور مختلف طبقات قریب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور اعتدال تو اسلام کا خاصہ ہے۔ 'اسلام'، جس دین کو کہتے ہیں، اس کے ہر ہر عمل میں اعتدال رکھا گیا ہے۔ اگر اعتدال ملحوظ نہ رہے تو ہر طرح کا انتشار اور خلفشار پیدا ہو کر دین ہی زندگی سے نکل جائے۔ غلوٗ ہر زمانہ میں تفرقہ وانتشار کا اور گمراہیوں کا سبب بنا ہے۔ اس طرح دینی محنتوں کو ہر طرح کی غلو آمیزیوں سے بچا کر اعتدال کے ساتھ کرنا ہے، جو مطلوب ہے۔ حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کے کمالات میں سے یہ بھی ہے کہ اعتدال کی زبان بولتے تھے۔ آپ کی زبان دعوں کی نہیں، دعوت کی تھی۔ ہر طرح کی غلو آمیزی سے احتراز کر کے اعتدال کے ساتھ دعوت کو پیش فرماتے تھے۔ آپ کی ——

> ''دعوتی بصیرت اور اصابتِ فکر کی سب سے مضبوط اور پختہ دلیل یہ ہے کہ آپ دین کے کسی ایک ہی شعبہ کے ترجمان اور داعی نہیں تھے۔ بلکہ تمام دینی شعبوں اور گوشوں کی مکمل رعایت اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس دعوت وتبلیغ کے ذریعہ ایک صالح معاشرہ اور اعمال سے مالامال ایک خالص دینی وروحانی ماحول پیدا کرنا چاہتے تھے چنانچہ آپ مختلف مجالس اور اجتماعات میں بڑے اعتماد

ووثوق کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ ـــــ ہم اس دعوت والے کام کے ذریعہ یہ چاہتے ہیں کہ جس وقت حضور اکرم ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا، اس وقت جو اس امت کی (دینی وایمانی) حالت تھی، اس حالت پر تمام امت آجائے۔

اسی طرح آپ کی دعاؤں میں یہ فقرہ کہ ـــــ اے اللہ! اس نقل وحرکت کے ذریعہ دین کے تمام شعبوں کو زندہ فرما ـــــ اس بات کو پورے طور پر واضح کرتا ہے کہ آپ کی نگاہ پورے دین پر تھی اور اس دعوت کے ذریعہ پورے دین کے احیاء کی کوشش آپ کے پیش نظر تھی۔ موجودہ زمانے میں دین کی حیات کے جتنے شعبے اور طریقے ہیں، خواہ وہ درس وتدریس ہو یا تصنیف وتالیف اور وعظ وارشاد، دینی مدارس اور علمی جامعات ہوں، سلوک واحسان کی راہ سے تزکیہ وتجلیہ اور بیعت وطریقت، حضرت مولاناؒ کا ان سب شعبوں سے براہ راست اور بہت قریبی تعلق تھا۔ آپ نے حکمت وتدبیر کے ساتھ ہمیشہ اس کی کوشش فرمائی کہ دعوت وتبلیغ کی شکل میں چلنے والا یہ عمل نبوت، دین کے ان تمام شعبوں کے ساتھ مربوط ہوکر چلتا رہے تاکہ ایک دوسرے سے تقویت پہونچے۔" (سوانح مولانا محمد انعام الحسن جلد سوم ص ۱۴۸ تا ۱۴۹)

پورے دین کی محنت:

آپ نے پرانوں کے ایک جوڑ کے موقع پر فرمایا تھا کہ ہماری نیت وہی ہونی چاہئے جو ہمارے امام یعنی ہمارے نبی ﷺ کی تھی۔ آپ کی نیت یہ تھی کہ پوری امت میں پورا دین قیامت تک کے لئے زندہ ہوجائے۔ اس لئے ـــــ

"دعوت وتبلیغ کی راہ سے دین کے معاملہ میں آپ کا طرزِ فکر صرف اسلام کے چند ارکان کو زندہ کرنا نہیں تھا بلکہ روشن ضمیری کے ساتھ اس دینی

غیرت اور ایمانی حرارت کو پیدا کرنا تھا جو ایک مسلمان کو ایمان ویقین کی بھرپور دولت عطا کرکے اعمال واخلاق کی لائن سے اس کو اتنا مضبوط کردے کہ جلوت وخلوت میں اس کا رابطہ برابر خدا کے ساتھ قائم رہے۔

نیز دعوت وتبلیغ کی راہ سے آپ کا اصلی ذوق ووجدان یہ تھا کہ امت کو اعمال صالحہ پر کھڑا کیا جائے اور ان میں دین کے بنیادی واساسی اعمال نماز، ذکر وتلاوت، تسبیحات، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ کا شوق پیدا کیا جائے۔ اسی فکر ونظریہ کے تحت آپ اپنی تقریروں، تحریروں میں اعمال پر خصوصی توجہ فرماتے تھے اور چاہتے تھے کہ امت کے اندر سو فیصد اعمال زندہ ہوجائیں۔ بالخصوص اسلام کے بنیادی اور اساسی فرض، نماز کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اتنی محنت کی جائے کہ ہر علاقہ میں سو فیصد نمازی بن جائیں۔ ایک موقع پر آپ نے اسی فکر ونظریہ کی وضاحت میں یہ فرمایا تھا کہ ہم تینوں کے زمانہ میں مختلف چیزوں پر زور رہا ہے۔ بڑے حضرت جی (حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ) کے زمانہ میں آخرت اور جنت وجہنم پر زور تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے زمانہ میں قربانی اور مجاہدات پر زور رہا۔ اور میرے زمانہ میں اعمال پر زور ہے"۔

(سوانح مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ جلد سوم ص ۱۴۹۔۱۵۰)

استخلاص:

ہر عمل اخلاص کے ساتھ استخلاص چاہتا ہے۔ جو بھی عمل کریں، یکسوئی کے ساتھ کریں تو وہ عمل جاندار بنتا ہے۔ ایک موقع پر مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ نے پرانوں کے ایک جوڑ میں فرمایا تھا کہ نماز پڑھ رہے ہوں تو سب کا خیال چھوڑ کر نماز ہی کا خیال رہے۔ پھر عمل کے استخلاص کے بارے میں فرمایا کہ قیام میں ہوں تو قیام کا استخلاص یہ ہے کہ رکوع کا خیال نہ ہو، اور رکوع میں ہوں تو اس کا استخلاص یہ

ہے کہ سجدہ کا خیال نہ رہے۔ سجدہ کا استخلاص یہ ہے کہ قعدہ کا خیال نہ ہو۔ بہر حال جس عمل میں بھی ہوں اس کا استخلاص یہ ہے کہ دوسری بات کی طرف دھیان نہ رہے، اور پوری یکسوئی کے ساتھ اس عمل کو پورا کریں۔ کسی عمل کا استخلاص کسی دوسرے عمل کا انکار نہیں کرتا بلکہ جس عمل میں بھی لگے ہوں اس عمل میں یکسوئی کا تقاضا کرتا ہے۔ ذکر کا استخلاص یہ ہے کہ تنہائی کی جگہ میں بیٹھ کر خدا کی طرف متوجہ ہو کر اور خدا کا دھیان جمع کر کے ذکر کیا جائے۔ تعلیم کا استخلاص یہ ہے کہ تعلیم میں بیٹھ کر ادھر ادھر دیکھتے نہ رہیں کہ یکسوئی ختم ہو جائے گی، بلکہ پوری توجہ اور دھیان کے ساتھ تعلیم کو سنتے رہیں۔ دعوت کیا ہے؟ اور اس کا استخلاص کیا ہے؟ اس کو اکابرین کی صحبت میں رہ کر سمجھنے کی کوشش کرنا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے اکابرین استخلاص کا مطلب کچھ اور بتائیں اور ہم کچھ اور سمجھ لیں۔ دعوت کے کام میں پورے استخلاص کے ساتھ لگنے کے باوجود ہمارے اکابرین نے بیعت کا سلسلہ بھی چلایا ہے اور بیعت والے اس معروف طریقے کو اختیار کرتے ہوئے، اپنے متبعین کو ذکر کی تلقین بھی کی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ امور یعنی بیعت کرنا اور ذکر کا طریقہ معلوم کر کے ذکر کرنا اور ذکرِ جہری کرنا وغیرہ دعوت والے کام کے استخلاص کے خلاف نہیں ہیں۔ یہ باتیں اگر دعوت کے کام کے استخلاص کے خلاف ہوتے تو یقیناً یہ حضرات اس سلسلہ کو نہ چلاتے۔ ملحوظ رہے کہ ——— ذکر میں لگنا اور اس کی محنت کرنا ——— ان باتوں کو فکروں کا بٹنا اور فکروں کا انتشار نہیں کہا جا سکتا بلکہ فکروں میں یکسوئی اور اعمال میں استخلاص پیدا کرنے ہی کے لئے یہ امور ضروری ہیں۔ اس لئے ذکر والی محنت، ذکر کی مجلسیں اور بیعت وغیرہ کو استخلاص کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش دعوت کے کام کو بدنام کردیگی اور بلاوجہ ان باتوں کو نزاعی مسئلہ بنانا، دعوت کے کام میں انتشار پیدا کرنا ہے۔ ذہن میں رہے جب کسی قوم کی بربادی کا وقت آتا ہے تو اس کی عملی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ قوم بحث و مباحثہ میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

دین میں ذکر کی اہمیت

ذکر اللہ کی کثرت کا حکم اور اس کی حکمت

اسلام کے ارکان پانچ عبادتیں ہیں، نماز، زکوۃ، روزہ، حج، جہاد، لیکن پورے قرآن میں ان میں سے کسی عبادت کو کثرت کے ساتھ کرنے کا حکم نہیں، مگر ذکر اللہ کے متعلق قرآن کریم کی متعدد آیات میں بکثرت کرنے کا ارشاد ہے سورۂ انفال، سورۂ جمعہ میں اور اس سورت (احزاب) میں وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ فرمایا۔

اس کی حکمت غالباً یہ ہے کہ اول تو ذکر اللہ سب عبادات کی اصل روح ہے، جیسا کہ حضرت معاذ بن انسؓ کی روایات سے آیا ہے کہ کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مجاہدین میں سب سے زیادہ اجر و ثواب کس کا ہے، تو آپؐ نے فرمایا جو سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرے، پھر پوچھا کہ روزہ داروں میں کس کا ثواب سب سے زیادہ ہے؟ فرمایا جو سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرے، پھر اسی طرح نماز، زکوۃ اور حج وصدقہ کے متعلق سوالات کئے، ہر مرتبہ آپؐ نے یہی فرمایا کہ جو اللہ کا ذکر زیادہ کرے، وہی زیادہ مستحق اجر ہے (رواہ احمد از ابن کثیر)

دوسرے وہ سب عبادات میں سب سے زیادہ سہل ہے، شریعت نے بھی اس کے لئے کوئی شرط نہیں رکھی، وضو، بے وضو، لیٹے، بیٹھے، چلتے پھرتے، ہر وقت میں ذکر اللہ کیا جا سکتا ہے، وہ نہ انسان سے کوئی محنت لیتا ہے، نہ کسی فرصت کو مقتضی ہے، اور اثر و فائدہ اس کا اتنا عظیم ہے کہ ذکر اللہ کے ذریعہ دنیا کے کام بھی دین اور عبادت بن جاتے ہیں، کھانے سے پہلے اور بعد کی دعا، گھر سے نکلنے اور واپس آنے کی

دعائیں، سفر میں جانے اور دورانِ سفر اور وطن کی واپسی کی دعائیں، کوئی کاروبار کرنے سے پہلے اور بعد میں ـــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ دعاؤں کا حاصل ہی یہ ہے کہ مسلمان کسی وقت اللہ سے غافل ہوکر کوئی کام نہ کرے، اور اس نے یہ ماثور دعائیں اپنے کاموں میں پڑھ لیں تو وہ دنیا کے کام بھی دین بن جاتے ہیں۔"

(مفتی محمد شفیعؒ - معارف القرآن جلد ہشتم ص ۱۳۴-۱۳۵)

جہاد میں بھی کثرتِ ذکر کا حکم اور اس کی ضرورت:

"کفار و مشرکین اور دشمنانِ اسلام کے ساتھ لڑنے اور جہاد کے وقت کثرتِ ذکر کی سخت ضرورت ہوا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

اے ایمان والو جب کسی گروہ سے تمارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ (سورۂ انفال، آیت ۴۵، پ ۱۰، ع ۲)۔

انسان کی اصل قوت دل کی قوت ہے اور دل کی قوت ایمان سے حاصل ہوتی ہے اور ذکر اللہ کی کثرت ایمان کو تازہ رکھتی ہے اور اس کے نور کو بڑھاتی رہتی ہے اس لئے ذکر الٰہی، صبر و استقامت اور ثابت قدمی کا بہت بڑا ذریعہ ہے اس لئے جب حالات سخت ہوں اور جن میں صبر و استقامت کی زیادہ ضرورت ہو وہاں زیادہ سے زیادہ ذکر اللہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے مواقع میں کثرتِ ذکر کا حکم فرمایا ہے۔ اور صحابہ کرامؓ کا سب سے بڑا ہتھیار نماز، تہلیل و تسبیح و تکبیر وغیرہ اور اذکار کی کثرت تھی۔" (ذکر اللہ کے فضائل و مسائل ص ۴۴)

دعوت و تبلیغ اور دینی جدوجہد کے موقع پر کثرتِ ذکر کا حکم:

"دعوت و تبلیغ ہو یا دینِ اسلام کیلئے کوئی اور جدوجہد ہو اس میں بھی کثرتِ ذکر مطلوب ہے بلکہ ایسے مواقع پر ذکر میں کوتاہی بھی دینی جدوجہد کو بے نور اور بے روح بنا دیتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کو فرعون کے پاس بھیجا تو ان دونوں کو جو خاص تاکید کی تھی وہ کثرتِ ذکر اور ذکر میں کوتاہی نہ کرنے کی ہدایت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ○

(اے موسیٰ) تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور تم دونوں میرے ذکر میں سستی نہ کرنا (سورۂ طٰہٰ، آیت ۴۲، پ ۱۶، ع ۱۱)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ میں پوری مستعدی دکھلاؤ اور تمام احوال اور اوقات میں عموماً اور دعوت و تبلیغ اور دینی جدوجہد کے وقت خصوصاً اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو اور اس میں سستی نہ کرو۔" (ذکر اللہ کے فضائل و مسائل ص ۴۳)

مصلح اور داعی کیلئے کثرتِ ذکر کی ضرورت:

"یاد رکھیں کہ دعوت و تبلیغ کا اصل سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی ہیں کیونکہ اس کی طرف اور اس کے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے لہٰذا دعوت دینے والے کا جس قدر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوگا اسی قدر اس کی دعوت میں جان اور روح و قوت ہوگی اور اسی قدر اس سے خیر پھیلے گا لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے تعلق کمزور ہو جائے تو اس کی یہ دعوت بے روح اور بے جان ہو جاتی ہے اور اگر یہ تعلق بالکل ہی منقطع ہو جائے تو پھر وہ دعوت بالکل شیطانی دعوت بن کر رہ جاتی ہے اگر چہ

اس میں نام اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کا لیا جائے۔ اس لئے ایسے مواقع پر اور زیادہ ذکرِ الٰہی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ذکرِ الٰہی ہی تعلق مع اللہ کا محافظ ہے اور اس کے سبب یہ تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا رہتا ہے۔ نیز یہی کثرتِ ذکر ہی اہل اللہ وداعیانِ حق اور مصلحین کی کامیابی کا بہت بڑا سبب بھی ہے اور دشمن کے مقابلہ میں بہترین اور اول نمبر کا ہتھیار بھی ہے۔ اور اس سے انسان کے اندر عزم وہمت پیدا ہوتی ہے اور بڑھتی رہتی ہے۔" (ذکر اللہ کے فضائل ومسائل ص ۲۳-۲۴)

اہلِ قلوب اور مقامِ قطبیت

اہلِ ذکر کی قوتِ قلبی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور وہ دینی محنت میں اپنی قلبی قوت کو بھی استعمال فرماتے ہیں۔ جس کی وجہ سے راہِ دعوت میں کھڑی ہونے والی بڑی سی بڑی رکاوٹیں دور ہوتی ہیں اور ہدایت قبول نہ کرنے کی قسمیں کھانے والوں کو بھی ہدایت مل جاتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ظاہری تدبیروں اور کوششوں سے کہیں زیادہ "تعلق مع اللہ" والی یہ قلبی قوتیں ہی زیادہ مؤثر ہوتی ہیں۔ اس بارے میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ فرماتے ہیں ——

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث "**من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ**" کے آخری جز **فبقلبہ** کا ایک درجہ اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ازالہ منکر کے لئے اصحابِ قلوب اپنی قلبی قوتوں کو استعمال کریں، یعنی ہمت وتوجہ کو کام میں لائیں۔

پھر اسی ذیل میں فرمایا —— امام عبدالوہاب شعرانی نے مقامِ قطبیت حاصل کرنے کی ایک تدبیر لکھی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی زمین پر جہاں جہاں جو جو معروفات مٹے ہوئے ہیں اور مردہ

ہوگئے ہیں ان کا تصور کرے پھر دل میں ان کے مٹنے کا ایک درد محسوس کرے اور پورے الحاح اور تضرع کے ساتھ ان کے زندہ اور رائج کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے اور اپنی قلبی قوت کو بھی ان کے احیاء کے لئے استعمال کرے —— اسی طرح جہاں جہاں جو جو منکرات پھیلے ہوئے ہیں ان کا بھی دھیان کرے اور پھر ان کے فروغ کی وجہ سے اپنے اندر ایک سوزش اور دکھ محسوس کرے، پھر پورے تضرع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ان کو مٹا دینے کیلئے دعاء کرے اور اپنی ہمت وتوجہ کو بھی ان کے استیصال کے لئے استعمال کرے۔

امام عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے کہ "جو شخص ایسا کرتا رہے گا انشاء اللہ وہ قطبِ عصر ہوگا"۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۷۰-۷۱)

جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد سے روکے اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا:

"بلاشبہ جو لوگ مختلف حیلوں وبہانوں سے لوگوں کو ذکرِ الٰہی سے روکتے ہیں وہ بہت بڑے ظالم ہیں۔ آخر اس سے بڑھکر ظالم کون ہوسکتا ہے؟ جو دین کے نام پر لوگوں کو یادِ الٰہی سے روکتا ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا (سورۂ بقرہ، آیت ۱۱۴، پ ۱، ع ۱۴)

اور اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں کو اس سے روکے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کیا جائے اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کرے۔" (ذکر اللہ کے فضائل ومسائل ص ۳۳۹)

ذکر کی مجلسیں:

ذکر کی اسی محنت کے لئے اہل اللہ کے یہاں ذکر کی مجلسیں بھی ہوتی ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے زمانہ میں اہلِ ذکر حضرات تھے جو اہتمام سے

ذکر کیا کرتے تھے۔ میاں جی محراب نے ایک بار فرمایا تھا کہ حضرت جیؒ ہمیں اللہ کا نام لینا سکھاتے تھے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور مجالسِ ذکر:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ ایک حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ ——

اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ اللہ کے کچھ بندوں کے ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنے کی خاص برکات ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کی شرح میں فرمایا ہے —— اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مسلمانوں کا جمع ہو کر ذکر وغیرہ کرنا رحمت وسکینت اور قربِ ملائکہ کا خاص وسیلہ ہے —— اور ایک دوسری حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ: معلوم ہوا کہ اللہ کے کچھ بندوں کا ایک جگہ بیٹھ کر اخلاص کے ساتھ اللہ کو یاد کرنا اس کی باتیں کرنا اس کی حمد وتسبیح کرنا اللہ تعالیٰ کو بیحد پسند ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتوں کے سامنے ایسے بندوں کیلئے اپنی رضا کا اظہار فرماتا ہے۔
اللھم اجعلنا منھم (معارف الحدیث جلد ۵ ص ۲۸ و ۳۱)۔"

مجالس ذکر اور ان کے فوائد

"ذکر اللہ کی مجالس کا انعقاد وقیام بہت مبارک کام ہے اور قرآن وحدیث میں ان کی ترغیب وتائید اور بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں ان مجالس کے چند فوائد یہ ہیں۔

۞ ذکر کی مجالس وہ باغ ہیں جن میں دلوں کی آبیاری ہوتی ہے اور یہ ایمانی وروحانی ترقی کا ذریعہ بنتی ہیں۔

۞ ان کی وجہ سے قلوب اللہ تعالیٰ کی طرف مائل اور متوجہ ہوتے ہیں۔

۞ ان کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو بھی ذکرِ الٰہی کی ترغیب ہو جاتی ہے۔

۞ ان مجالس کی وجہ سے کم ہمتوں کی ہمتیں بڑھ جاتی ہیں اور ذکرِ الٰہی پر استقامت نصیب ہوتی ہے۔

۞ صاحبِ دل لوگوں کے ذکر اور روحانی موجوں میں، غافل لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور دل کی بیداری حاصل ہو جاتی ہے۔

۞ مجلسِ ذکر کے تمام ذاکرین سے جو قلبی نور اور مہک جمع ہو جاتی ہے وہ ہر ایک شریکِ مجلس میں جگمگا اٹھتی ہے جس کی وجہ سے ہر ایک کو حسبِ استعداد اور حسبِ اخلاص ذکرِ الٰہی میں رسوخ اور پختگی حاصل ہوتی ہے۔

۞ ان مجالس پر روحانی اور نورانی فرشتوں کا نزول ہوتا ہے ان کی روحانیت اور نورانیت سے یہ مجالس اور زیادہ پر نور اور دلوں کے اطمینان وطمانیت کا سبب بنتی ہیں۔

۞ مجالسِ ذکر وہ روحانی حصار اور قلعے ہیں جن کے ذریعے انسان نفس وشیطان کے وار سے بچ سکتا ہے۔

۞ مجالسِ ذکر سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور شرکائے مجلس کی بخشش فرماتا ہے اور ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

۞ مجالسِ ذکر جنت کے باغ ہیں۔ جو ان میں شریک ہوتا رہے گا وہ روزِ محشر میں موتیوں کے منبروں پر ہونگے اور انکے چہروں میں نور چمکتا ہوگا۔

۞ ذاکرین کے لئے جھنڈا ہوگا وہ اس جھنڈے کے پیچھے جائیں گے اور ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہونگے اور جنت کے بالاخانوں اور باغوں میں رہیں گے۔

۞ مجالسِ ذکر کے یہ چند فوائد ذکر کئے گئے۔ احادیث میں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد وفضائل بیان ہوئے ہیں"۔

(ذکر اللہ کے فضائل ومسائل ص ۳۲۸-۳۲۹)

مجالس ذکر کے مراکز، مساجد اور خانقاہیں ہیں:

''اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کے روحانی تسلسل کی حفاظت اور بقاء اور افراد کے اخلاق واعمال کا تزکیہ انہی روحانی مراکز مساجد اور خانقاہوں میں ہوا ہے اور ان مراکز سے دین اسلام کے ہر شعبے میں کام کرنے والوں نے ایمان ویقین، اخلاق واحسان، تعلق مع اللہ اور تقویٰ وپرہیزگاری کی روح کو حاصل کیا۔

چنانچہ جتنے مجدد دین امت اور مصلحین امت گزرے ہیں سب کے سب انہی مراکز اور خانقاہوں کے تربیت یافتہ ہیں مثلاً امام شاہ ولی اللہؒ، مجدد الف ثانیؒ، امام شاملؒ، سید احمد شہیدؒ، امام سنوسی۔ فرنگ اور انگریز کے ساتھ لڑنے والے شیخ المشائخ مجاہدِ ملت حضرت حاجی امداد اللہؒ، بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت حسین احمد مدنیؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور بانیٔ تبلیغ جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ اور انگریز سے لڑنے والے پاکستان کے صوبہ سرحد کے امام المجاہدین حضرت مولانا عبدالغفور سواتیؒ، حضرت مولانا محمد عمر شاہؒ عرف صاحب مبارک کربوغہ شریف، حضرت حاجی ترنگزئیؒ اور فاتحِ کشمیر حضرت مولانا حاجی محمد امین صاحبؒ وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب وہی لوگ ہیں جنہوں نے انہی مراکز اور خانقاہوں میں تربیت پائی تھی اور آج بھی صحیح معنوں میں جو حضرات کفر وشرک کے علمبرداروں یہود وہنود اور انگریز کے خلاف لڑتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو انہی مراکز کے تربیت یافتہ ہیں۔'' (ذکر اللہ کے فضائل ومسائل ص ۳۳۰-۳۲۹)

بنگلہ والہ مسجد مرکزِ تبلیغ میں ذکرِ جہر اور مجلسِ ذکر:

امام المجاہدین حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی دامت برکاتہم اپنے رسالہ ''مجالسِ ذکرِ جہری'' میں فرماتے ہیں کہ:

جن لوگوں نے امام التبلیغ اسوۃ السلف الصالحین حضرت اقدس مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کا زمانہ دیکھا ہے ان سے اس سیاہ کار نے بالتواتر سنا کہ بنگلہ والی مسجد ''مرکزِ تبلیغ'' میں ہمیشہ معمول تھا کہ لوگ آخر شب میں عموماً سب اٹھ کر تہجد کے نوافل میں مشغول ہو جاتے اور فجر کی اذان سے تھوڑی دیر قبل سے لیکر فجر کی جماعت کھڑی ہونے تک (جو کہ اسفار میں ہوتی تھی) اکثر لوگ مسجد میں اور باہر صحن میں اور برآمدے میں ذکرِ جہری میں عموماً مشغول ہو جاتے۔ یہ منظر تو اس سیاہ کار نے خود بھی ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۰ء میں دیکھا ہے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کے زمانہ میں کہ فجر کی اذان سے لیکر فجر کی جماعت کھڑے ہونے تک دہلی مرکز نظام الدین بنگلہ والی مسجد میں کافی لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے ذکرِ جہری میں مشغول رہتے تھے ان میں سے کچھ مسجد کے اندر ہوتے تھے اور کچھ باہر مگر ان سب کی آواز سے مسجد اور اس کے باہر کا سارا حصہ ذکرِ جہری سے گونجتا رہتا تھا۔ مجالس ذکرِ جہری ص ۳۱ تا ۳۲۔'' (ذکر اللہ کے فضائل ومسائل ص ۳۳۹)

حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ عصر کے بعد باہر کے حصے میں تشریف رکھتے تھے۔ اہل تعلق آجاتے اور خاموش ذکر میں مشغول ہو جاتے۔ اور وہ خود بھی ذکر میں مشغول رہتے۔ اور مجلس پر عجیب سکون وسکینت کی کیفیت طاری رہتی۔ مغرب کے قریب تک یہ سلسلہ چلتا رہتا۔ آج بھی اکابر حضرات یکسوئی میں بیٹھ کر ذکر بالجہر کرتے ہیں جس کے بارے میں حضرت جی ثالثؒ نے فرمایا کہ 'اشغالِ صوفیہ میں باطن کی صفائی کے سلسلہ میں ذکر بالجہر سب سے زیادہ موثر شغل ہے ـــــ ظاہر ہے کہ اس کی محنت اور مشق کے بغیر ذکر کے نفع کو حاصل کرنا مشکل ہے۔

دیگر مشائخ کی مجالسِ ذکر

یہ تو ہمارے دعوتی اکابرین کا معمول رہا۔ دیگر اہلِ ذکر مشائخ کے یہاں بھی روزانہ یا ہر ہفتہ ذکر کی مجالس ہوتی ہیں۔ ان مجالس میں ذکر کے علاوہ چند اصلاحی باتیں بھی کہی جاتی ہیں۔ ہمارے تبلیغی اکابرین نے ان حضرات کو نہ بیعت سے روکا ہے اور نہ ذکر کی مجلسوں سے روکا ہے۔ بلکہ اس بات کی فکر کی ہے کہ وہ حضرات بھی اپنے حلقوں کے ساتھ دعوت کے اس عظیم کام میں تعاون فرمائیں۔ ہمارے علم میں ایسے صاحب اجازت حضرات بھی ہیں جنہیں کسی اور طرف سے اجازت ملی تھی۔ انہوں نے حضرت جیؒ سے پوچھا کہ ہمیں فلاں بزرگ کی طرف سے اجازتِ بیعت ہے کیا ہم بیعت کریں؟ —— تو فرمایا کہ 'جب تمہیں بیعت کرنے کی اجازت ہے تو ضرور کریں'۔ اور چند نصائح بھی فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ —— ہدایا کے قبول کرنے میں حرص کا پہلو نہ ہو اور انکار کرنے میں کبر کا پہلو نہ ہو۔

چند حضرات ایسے بھی ہیں جن کا تعلق دعوت کے کام سے بھی ہے اور وہ صاحب اجازت بھی ہیں۔ یہ حضرات تو پوری فکروں کے ساتھ دعوت کے کام میں لگے ہیں اور اپنے حلقہ کو اس کام کی طرف پوری قوت کے ساتھ متوجہ فرماتے ہیں۔ اور یہ حضرات ذکر کی مجلسیں بھی لیتے ہیں۔ لیکن ہمارے تبلیغی اکابرین نے کبھی ان سے یہ نہیں پوچھا کہ کس کے مشورہ سے یہ کر رہے ہو۔ بلکہ بعض کج فہم لوگوں نے اکابرین سے ان حضرات کی شکایت بھی کی اور درخواست بھی کہ یہ حضرات مجازین فلاں جگہ بیعت نہ لیا کریں۔ اور ذکر کی مجلسیں نہ لیں اور اس مقصد کے لئے سفر نہ کریں تو تبلیغی اکابرین نے صاف فرمایا کہ ہم کسی کو ان باتوں سے روکتے نہیں ہیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ یہ بھی دعوت کے کام میں لگے رہیں۔

تبلیغی اکابر کی طرف سے علماء ومشائخ کی قدردانی

الحمدللہ تبلیغی اکابرین فکروں کی بڑی وسعت رکھتے ہیں اور ان کے قلوب میں مشائخ کی بڑی قدر وقیمت ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ان کے خلفاء، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا محمد زکریاؒ سے بڑی عقیدت ومحبت تھی۔ وہ ٹوٹ کر ان حضرات کا احترام کرتے تھے۔

مولانا محمد الیاسؒ کا نیاز مندی کا تعلق سب سے رہا

فرماتے ہیں —— میری نیاز مندی کا تعلق اپنے زمانہ کے سب ہی بزرگوں سے رہا اور الحمدللہ سب کی عنایات اور سب کا اعتماد مجھے حاصل رہا۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص۱۴۳)

علماء کی خدمت میں استفادہ کی نیت سے جائیں

فرماتے ہیں کہ —— ہمارے عام کارکن جہاں بھی جائیں وہاں کے حقانی علماء وصلحاء کی خدمت میں حاضری کی کوشش کریں۔ لیکن یہ حاضری صرف استفادہ کی نیت سے ہو۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص۳۵)

علماء پر اعتراض سخت چیز ہے

ایک عامی مسلمان کی طرف سے بھی بلا وجہ بدگمانی ہلاکت میں ڈالنے والی ہے، اور علماء پر اعتراض تو بہت سخت چیز ہے۔

پھر فرمایا —— ہمارے طریقۂ تبلیغ میں عزتِ مسلم اور احترام علماء بنیادی چیز ہے، ہر مسلمان کی بوجہ اسلام کے عزت کرنا چاہئے، اور علماء کا بوجہ علمِ دین کے بہت احترام کرنا چاہئے۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص۵۶)

مبلغین، اہلِ علم وذکر کی صحبت سے مستفید ہوں

علم اور ذکر کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضہ میں نہیں آیا اس کی مجھے بڑی فکر ہے، اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو اہلِ علم اور اہلِ ذکر کے پاس بھیجا جائے کہ ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں اور ان کے علم وصحبت سے بھی مستفید ہوں۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۵۶)

حضرت تھانویؒ نے بڑا کام کیا ہے

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو حضرت تھانویؒ سے جو قلبی تعلق تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ ان کی تعلیم کو عام کرنا چاہتے تھے۔ ایک بار فرمایا ـــــ

حضرت مولانا تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بہت بڑا کام کیا ہے، بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور طریقہ تبلیغ میرا ہو کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہو جائے گی۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۵۸)

حضرت تھانویؒ کے لوگوں سے اور ان کی کتابوں سے استفادہ کیا جائے

حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے کارکنانِ میوات کو ایک خط تحریر فرما کر چند باتوں کی ہدایات کی تھیں۔ اس مکتوب میں یہ بھی تھا کہ ـــــ

(۸) حضرت تھانویؒ کیلئے ایصالِ ثواب کا بہت اہتمام کیا جاوے، ہر طرح کی خیر سے ان کو ثواب پہنچایا جائے، کثرت سے قرآن شریف ختم کرائے جائیں۔ یہ ضروری نہیں کہ سب اکٹھے ہو کر ہی پڑھیں بلکہ ہر ہر شخص کا تنہائی میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ تبلیغ میں نکلنے کا ثواب سب سے زیادہ ہے، اس لئے اس صورت سے زیادہ پہنچاؤ۔

(۹) حضرت تھانویؒ سے منتفع ہونے کیلئے ضروری ہے کہ ان کی محبت ہو اور ان کے آدمیوں سے اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے منتفع

ہوا جاوے۔ ان کی کتابوں کے مطالعہ سے علم آوے گا اور ان کے آدمیوں سے عمل......... (مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ ص ۱۳۷-۱۳۸)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ان ارشادات سے بخوبی معلوم ہوا کہ علمائے حقانیین اور مشائخ کی کتابوں سے استفادہ نفع سے خالی نہیں ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو بھی اپنے اکابر سے انتہائی محبت تھی

آپ ''اپنے اکابر کے ساتھ والہانہ اور خادمانہ انداز رکھتے تھے۔ بالخصوص حضرت شیخ الاسلامؒ اور حضرت اقدس رائے پوریؒ سے انتہائی محبت وعقیدت تھی'' (تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ص ۴۷)

علماء کی خدمت میں حاضری کو عبادت سمجھیں

علماء کی خدمت میں حاضری کی بڑی اہمیت حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے دل میں تھی۔ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ـــ

علماء کی خدمت میں حاضری دی جائے، اس کو بھی عبادت یقین کیا جائے۔ (تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۹۵)

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ـــــ

'بزرگانِ دین سے بدظن نہ ہوں۔ بلکہ ان کی خدمت میں محض استفادہ کے طور پر جاتے رہا کریں۔ ان کے پاس جب جائیں تو دھیان میں یہ نہ ہو کہ میں ان کو کچھ دینے جا رہا ہوں بلکہ ہمیشہ یہی خیال رہے کہ مجھے کچھ حاصل کرنا ہے''۔ (سوانح حضرت جی۔ حضرت مولانا محمد یوسف ص: ۶۸)

مولانا مدنیؒ کا اٹھ جانا، دنیا سے بڑی خیر کا اٹھ جانا ہے

اہلِ نسبت حضرات اکابر کا کتنا احترام اور ان کی کتنی قدر وقیمت آپ کے دل میں تھی اس کو معلوم کرنے کے لئے صرف شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین

احمد مدنیؒ سے حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے قلبی تعلق کا ذکر یہاں کیا جارہا ہے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری تحریر فرماتے ہیں کہ ——

''حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد نظام الدین حاضری کا اتفاق ہوا۔ سردی کے دن تھے۔ حضرت جی (مولانا یوسفؒ) چبوترہ پر دھوپ میں بالکل بجھے ہوئے بیٹھے تھے۔ مصافحہ کے بعد ٹھنڈی سانس بھر کر فرمانے لگے 'حضرت مدنیؒ کا انتقال ہوگیا۔ دنیا سے بڑی خیر اٹھ گئی۔ اتنی بڑی خیر، اگر ہم سب لوگوں کی خیر ایک جگہ جمع کرلی جائے تب بھی اس خیر کے مقابلہ میں کچھ نہیں —— مجھے معتبر آدمی کی زبانی معلوم ہوا کہ پورے دو سال تک برابر لوگوں کو تاکید کرتے رہے۔ دیکھو! اپنے اس چلّہ کا ثواب حضرت مدنیؒ کی روح کو پہونچانا۔ بلکہ ان کی ایصال ثواب کی یہیں سے نیت کرکے چلو''۔

(سوانح حضرت جی۔ حضرت مولانا محمد یوسفؒ ص ۸۲)

مشائخ کے خدام باکمال تھے

مشائخ کرام کے خدام کے بارے میں فرماتے ہیں ——

''مشائخ عظام کے جو خدام کی بابت ہم سنتے ہیں کہ وہ صاحبِ کمال بنے، یہ وہ خدام تھے جو خانقاہ میں آنے والے مہمانوں کی خدمت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے پاخانے تک اٹھاتے تھے۔''

(ملفوظات واقتباسات حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ ص ۱۲۹)

مفتی محمود حسن صاحبؒ اور مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ

عصر بعد حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب کی مسجد کی عمارت کے پیچھے کی طرف مجلس لگتی تھی۔ مولانا محمد عمر صاحب پالنپوریؒ وغیرہ بھی موجود رہتے تھے۔

ایک موقع پر احقر راقم الحروف بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ اچانک مولانا محمد بن سلیمان جھانجھی نے آواز دی کہ ''مفتی (محمود حسنؒ) صاحب تشریف لارہے ہیں'' اتنا سنتے ہی حضرت جیؒ ایسے چونکنا ہوگئے جیسے کسی بڑے کی آنے کے بعد بچہ چوکنا ہوجاتا ہے۔ کھڑے ہوکر مفتی صاحبؒ کا استقبال کیا، بڑے اشتیاق سے گلے لگایا اور دونوں ساتھ ساتھ مسہری پر بیٹھ گئے۔ بڑا عجیب منظر تھا، دو صاحبِ نسبت بزرگ بیٹھے ہیں اور پورا مجمع ذکر میں مصروف ہے۔ پوری مجلس پر ایک عجیب سکینت کا عالم طاری تھا۔

علماء وصلحاء کا یہ احترام اس لئے تھا کہ امت کی تعلیم وتربیت کا نظام سنبھالنے والے اصل یہی ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ فرماتے ہیں ——

علماء سے کہنا ہے کہ ان تبلیغی جماعتوں کی چلت پھرت اور محنت وکوششوں سے عوام میں دین کی صرف طلب اور قدر ہی پیدا کی جاسکتی ہے اور ان کو دین سیکھنے پر آمادہ ہی کیا جاسکتا ہے۔ آگے دین کی تعلیم وتربیت کا کام علماء اور صلحاء کی توجہ فرمائی ہی سے ہوسکتا ہے۔ اس لئے آپ حضرات کی توجہات کی بڑی ضرورت ہے۔

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۱۷۰)

اس لئے ہمارے دلوں میں علماء کا پورا احترام اور ان کی پوری قدردانی ہونی چاہیئے، جس کی ترغیب اکابرین تبلیغ دیتے رہے۔ عوام کی علماء سے دوری ایک مستقل فتنہ ہے جو امت کی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے۔ اللہ کرے، دعوت والے اس عظیم کام کے ذریعہ امت اور علماء وصلحائے امت میں جوڑ پیدا ہوجائے۔ اللہ ہم سب محنت کرنے والوں کو اس کے لئے قبول فرمائے۔ امین

امت پنے کی دعوت

دین کے تمام حلقوں میں یگانگت پیدا کرنا ہمارا اہم مقصد ہے

امت میں تبلیغ ودعوت کے عنوان سے دینی محنت کے ذریعہ امت میں وحدت ویگانگت پیدا کرنا اکابرین تبلیغ کے اندورن کا داعیہ تھا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرماتے ہیں ــــــ

اپنی اس تحریک کے ذریعہ ہم ہر جگہ کے علماء اور اہلِ دین اور دنیا داروں میں میل ملاپ اور صلح وآشتی بھی کرانا چاہتے ہیں، نیز خود علماء اور اہلِ دین کے مختلف حلقوں میں الفت ومحبت اور تعاون ویگانگت کا پیدا کرنا اس سلسلہ میں ہمارے پیشِ نظر، بلکہ ہمارا اہم مقصد ہے اور یہ دینی دعوت ہی انشاء اللہ اس کا ذریعہ ووسیلہ بنے گی۔ افراد اور جماعتوں میں اختلافات اغراض ہی کے اختلافات سے تو پیدا ہوتے اور ترقی کرتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کے تمام گروہوں کو دین کے کام میں لگانے اور خدمتِ دین کو ان کا سب سے اعلیٰ مقصود بننے کی اس طرح کوشش کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے جذبات اور طریقِ عمل میں موافقت ہوجائے۔ صرف یہی چیز نفرتوں کو محبتوں سے بدل سکتی ہے ــــــ دو شخصوں میں صلح کرانے کا ذرا سوچو کہ کتنا بڑا اجر ہے۔ پھر امت کے مختلف طبقوں اور گروہوں میں مصالحت کی کوشش کا جو اجر ہوگا اس کا کوئی کیا اندازہ کرسکتا ہے۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص۸۴-۸۵)

ہماری کوئی علیحدہ جماعت نہیں ہے

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ فرماتے ہیں ــــــ

''ہم نے اس کام کے لئے کوئی انجمن نہیں بنائی۔ نہ اس کا کوئی دفتر ہے نہ رجسٹر نہ فنڈ ہے۔ یہ سارے ہی مسلمانوں کا کام ہے۔ ہم نے مروجہ طریقہ پر کوئی علیحدہ جماعت بھی نہیں بنائی ہے۔''

(تذکرۂ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ص۱۳۷۔ حضرت جی کی ایک تقریر سے ماخوذ)

عوام کو علماء سے جوڑنا ہے

دیوبند وسہارنپور جیسے علمی مراکز کیلئے جماعتوں کا بھیجنا بھی اسی لئے تھا کہ علماء وعوام میں جوڑ قائم ہو۔ فرماتے ہیں ــــــ

میں جو دیوبند، سہارنپور، جماعتیں بھیجتا ہوں، وہ اس لئے نہیں کہ علماء کو تبلیغ کی جائے، ان کو دعوت دی جائے۔ میں تو اس غرض سے بھیجتا ہوں کہ آج عوام، علماء سے دور ہوتے جارہے ہیں، یہ ان سے قریب ہوجائیں، اس میں ان کا فائدہ ہے۔'' (ملفوظات واقتباسات حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ ص۱۱۶)

مختلف عصبیتیں زندہ ہوتی ہیں تو امت ٹوٹ جاتی ہے

فرمایا کہ ــــــ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی مشکلات اور مصیبتیں جھیل کر امت تیار کی تھی۔ ملکی جذبہ، خاندانی عصبیت جب زندہ ہوتی ہے تو امت ٹوٹ جاتی ہے۔'' (ایضاً ص۱۲۰)

امت میں 'امت پنا' لانے کیلئے حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی ایک یادگار تقریر

اس 'امت پنے' کو باقی رکھنے کی بڑی تڑپ اور کڑھن ان کے دل میں تھی۔ اپنے وصال سے تین دن پہلے (یعنی ۲۶/ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ- مطابق ۳۰/مارچ ۱۹۶۵ء) بعد نماز فجر رائیونڈ (ضلع لاہور) میں زندگی کی جو آخری تقریر فرمائی تھی اس سے امت میں امت پنا لانے کیلئے ان کے دل کے کرب واضطراب اور دردو سوزمندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس تقریر میں انہوں نے پوری قوت سے

مسلمانوں کو امت بننے کی دعوت دی تھی۔ بغیر کسی تبصرے کے اس تقریر کے چند اقتباسات یہاں پیش کئے جارہے ہیں۔

"یہ امت بڑی مشقت سے بنی ہے۔ اس کو امت بنانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ نے بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں۔

(تذکرۂ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ص۱۵۰)

.........امت کسی ایک قوم اور علاقہ کے رہنے والوں کا نام نہیں ہے۔ بلکہ سیکڑوں ہزاروں قوموں اور علاقوں سے جڑ کر امت بنتی ہے۔ جو کوئی کسی ایک قوم یا ایک علاقہ کو اپنا سمجھتا ہے اور دوسروں کو غیر سمجھتا ہے وہ امت کو ذبح کرتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے۔ اور حضورؐ کی اور صحابہؓ کی محنتوں پر پانی پھیرتا ہے......"

(تذکرۂ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ص۱۵۱)

"یاد رکھو میری قوم اور میرا علاقہ اور میری برادری یہ سب امت کو توڑنے والی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ باتیں ناپسند ہیں"

(تذکرۂ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ص۱۵۲)

"امت پنے کو توڑنے والی چیزیں معاملات اور معاشرت کی خرابیاں ہیں۔ ایک فرد یا طبقہ جب دوسرے کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کرتا ہے اور اس کا پورا حق اس کو نہیں دیتا یا اس کو تکلیف پہنچاتا ہے یا اس کی تحقیر اور بے عزتی کرتا ہے تو تفریق پیدا ہوتی ہے اور امت پنا ٹوٹتا ہے۔"

(تذکرۂ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ص۱۵۳)

"امت بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سب کی یہ کوشش ہو کہ آپس میں جوڑ ہو، پھوٹ نہ پڑے۔ حضورؐ کی ایک حدیث کا مضمون ہے کہ قیامت میں ایک آدمی لایا جائے گا جس نے دنیا میں نماز، روزہ، حج،

تبلیغ سب کچھ کیا ہوگا مگر وہ عذاب میں ڈالا جائے گا، کیونکہ اس کی کسی بات نے امت میں تفریق ڈالی ہوگی، اس سے کہا جائے گا پہلے اپنے اس ایک لفظ کی سزا بھگت لے جس کی وجہ سے امت کو نقصان پہنچا۔ اور ایک دوسرا آدمی ہوگا جس کے پاس نماز، روزہ، حج وغیرہ کی کمی ہوگی اور خدا کے عذاب سے بہت ڈرتا ہوگا، مگر اس کو بہت ثواب سے نوازا جائے گا، وہ خود پوچھے گا یہ کرم میرے کس عمل کی وجہ سے ہے، اس کو بتایا جائیگا تو نے فلاں موقع پر ایک بات کہی تھی جس سے امت میں پیدا ہونے والا فساد رُک گیا اور بجائے توڑ کے جوڑ پیدا ہوگیا۔ یہ سب تیرے اسی لفظ کا صلہ اور ثواب ہے۔

امت کے بنانے اور بگاڑنے میں، جوڑنے اور توڑنے میں سب سے زیادہ دخل زبان کا ہوتا ہے۔ یہ زبان دلوں کو جوڑتی بھی ہے اور پھاڑتی بھی ہے۔ زبان سے ایک بات غلط اور فساد کی نکل جاتی ہے اور اس پر لاٹھی چل جاتی ہے اور پورا فساد کھڑا ہوجاتا ہے اور ایک ہی بات جوڑ پیدا کردیتی ہے اور پھٹے ہوئے دلوں کو ملا دیتی ہے ـــــ اس لئے سب سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ زبانوں پر قابو ہو اور یہ جب ہوسکتا ہے جب بندہ ہر وقت اس کا خیال رکھے کہ خدا ہر وقت اور ہر جگہ اس کے ساتھ ہے اور اس کی ہر بات کو سن رہا ہے۔"

(تذکرۂ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ص۱۵۴)

"شیطان تمہارے ساتھ ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہو جس کا موضوع ہی بھلائی کی اور نیکی کی طرف بلانا اور ہر برائی اور فساد سے روکنا ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

الْمُفْلِحُوْنَ ٥

امت میں ایک گروہ وہ ہو جس کا کام اور موضوع ہی یہ ہو کہ دین کی طرف اور ہر قسم کے خیر کی طرف بلائے۔ ایمان کے نئے اور خیر اور نیکی کے راستہ پر چلنے کے لئے محنت کرتا رہے۔ نمازوں پر محنت کرے، ذکر پر محنت کرے، حضورؐ کے لائے ہوئے علم پر محنت کرے۔ برائیوں اور معصیتوں سے بچانے کے لئے محنت کرے۔ اور ان محنتوں کی وجہ سے امت ایک امت بنی رہے۔" (تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ص ١٥٦)

آج ساری دنیا میں امت پنا توڑنے کی محنت چل رہی ہے، اس کا علاج اور توڑ یہی ہے کہ تم اپنے کو حضورؐ والی محنت میں لگا دو۔ مسلمانوں کو مسجدوں میں لاؤ، وہاں ایمان کی باتیں ہوں، تعلیم وذکر کے حلقے ہوں۔ دین کی محنت کے مشورے ہوں۔ مختلف طبقوں کے اور مختلف برادریوں کے اور مختلف زبانوں والے لوگ مسجد نبویؐ کے طریقہ پر ان کاموں میں جڑیں، جب امت پنا آئے گا۔"

(تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ص ١٥٧)

"دوستو! اپنے کو اس محنت پر جھونک دو کہ حضورؐ کی امت میں امت پنا آجائے۔ اس میں یقین وایمان آجائے، یہ ذکر وتسبیح اور تعلیم والی، خدا کے سامنے جھکنے والی، خدمت کرنے والی، برداشت کرنے والی، دوسروں کا اعزاز واکرام کرنے والی امت بن جائے۔"

(تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ص ١٥٩)

دینی محنت کا عالمی مرکز، مسجدِ نبویؐ

دینی محنت کا جو نظام حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے بنایا تھا، وہ ان کی ذہنی اُپج نہیں تھی۔ انہوں نے سیرت نبویؐ پر غور کر کے مسجد نبویؐ سے جو نظام چلایا گیا تھا اسی کو پیشِ نظر رکھ کر نظامِ دعوت وتبلیغ ترتیب دیا تھا۔

عمومی تعلیم وتربیت، طریقۂ نبویؐ کے مطابق ہو

فرماتے ہیں ـــــــ

دین کی عمومی تعلیم وتربیت کا جو طریقہ ہم اپنی اس تحریک کے ذریعہ رائج کرنا چاہتے ہیں صرف وہی طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رائج تھا اور اسی طرز سے وہاں عام طور پر دین سیکھا اور سکھایا جاتا تھا۔ بعد میں جو اور طریقے اس سلسلہ میں ایجاد ہوئے مثلاً تصنیف وتالیف اور کتابی تعلیم وغیرہ، سو ان کو ضرورتِ حادثہ نے پیدا کیا، مگر اب لوگوں نے صرف اسی کو اصل سمجھ لیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے طریقہ کو بالکل بھلا دیا گیا ہے، حالانکہ اصل طریقہ وہی ہے اور عمومی پیمانہ پر تعلیم وتربیت صرف اسی طریقہ سے دی جاسکتی ہے۔

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ٤٧)

تمام مسجدوں میں مسجدِ نبویؐ والے اعمال ہوں

اور چاہتے تھے کہ دنیا بھر کی تمام مسجدوں میں وہی اعمال زندہ ہو جائیں جو مسجدِ نبویؐ میں ہوا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں ـــــــ

مسجدیں، مسجدِ نبویؐ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے ان میں وہ سب کام ہونے چاہئیں جو حضورؐ کی مسجد میں ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

مسجد میں نماز کے علاوہ تعلیم وتربیت کا کام بھی ہوتا تھا اور دین کی دعوت کے سلسلہ کے سب کام بھی مسجد ہی سے ہوتے تھے۔ دین کی تبلیغ یا تعلیم کے لئے وفود کی روانگی بھی مسجد ہی سے ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ عسا کر کا نظم بھی مسجد ہی سے ہوتا تھا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری مسجدوں میں بھی اسی طریقہ پر یہ سب کام ہونے لگیں۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۱۶۷-۱۶۸)

ہماری محنت، نبیؐ والے خاص نقشہ کے مطابق ہو

دینی محنت کرنے والے رفقاء سے حضرت مولانا محمد یوسفؒ نے ایک بار خطاب فرمایا کہ ـــــــ

''ایک دینی محنت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ نے ایک خاص نقشے کے ساتھ کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس محنت کو ان کے طریقے پر سیکھیں اور کریں۔'' (تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ص ۴۳۸)

مسجد والے مخصوص اعمال سے مسلمانوں کی زندگی میں امتیاز تھا

مسجد نبویؐ کے اعمال سے مسلمانوں کی زندگی میں امتیاز تھا اس کے بارے میں مولانا محمد یوسفؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ـــــــ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر امتی کو مسجد والا بنایا تھا۔ مسجد کے کچھ مخصوص اعمال دیئے تھے۔ ان اعمال سے مسلمانوں کی زندگی میں امتیاز تھا۔ مسجد میں اللہ کی بڑائی کی، ایمان کی اور آخرت کی باتیں ہوتی تھیں۔ اعمال سے زندگی بننے کی باتیں ہوتی تھیں۔ عملوں کو ٹھیک کرنے کے لئے تعلیمیں ہوتی تھی۔ ایمان وعمل صالح کی دعوت کے لئے ملکوں اور علاقوں میں جانے کی تشکیلیں بھی مسجد سے ہی ہوتی تھیں۔ اللہ کے ذکر کی مجلسیں مسجدوں میں ہوتی تھیں۔ یہاں تعاون

ایثار ہمدردیوں کے اعمال ہوتے تھے۔ ہر شخص حاکم محکوم، مالدار غریب، تاجر، زارع، مزدور، مسجد میں آکر زندگی سیکھتا تھا اور باہر جاکر اپنے اپنے شعبہ میں مسجد والے تاثر سے چلتا تھا۔

(تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۹۷-۹۸)

مسجدِ نبویؐ، ذکر وتعلیم اور دعوت کا مرکز تھی

یہ نہایت ہی موزوں محل ہے کہ یہاں پر مسجدِ نبویؐ سے کی جانے والی عالمی دینی محنت کے نقشہ کو بھی تحریر کیا جائے تا کہ ہماری محنت کا رخ صحیح ہو اور اس میں کسی قسم کی کجی آنے نہ پائے۔

قرآن مجید میں ''سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران اور سورۂ جمعہ کی آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک ہی مضمون ایک ہی طرح کے الفاظ میں آیا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا میں تشریف لانے کے مقاصد یا آپؐ کے عہدۂ نبوت و رسالت کے فرائضِ منصبی تین بیان کئے گئے ہیں۔ ایک تلاوتِ آیات، دوسرے تعلیمِ کتاب وحکمت، تیسرے لوگوں کا تزکیۂ اخلاق''۔

(معارف القرآن جلد اول، ص ۳۳۱-۳۳۲ مفتی محمد شفیعؒ)

ہجرتِ مدینہ کے بعد جب دین کی محنت کھل کر کرنے کا موقع ملا اور رکاوٹیں حائل نہ رہیں تو انہیں فرائض منصبی کی تکمیل کے لئے آپؐ نے اپنی محنت کے لئے مسجد نبوی کو ''مرکز'' بنایا۔ یہ مسجد دعوت کا بھی مرکز تھی، تعلیم کا بھی اور تزکیہ کا بھی۔ تینوں ہی امور کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا کرنے کی فکر ومحنت میں اپنے کو مشغول رکھا۔ اور کسی مصلحت سے ان تینوں میں سے کسی ایک یا دو کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ بیک وقت تینوں ہی امور کو محنت کا میدان بنایا۔ یہ نہیں سوچا گیا کہ پہلے دعوت دینے ہی کا کام کیا جائے۔ تعلیم اور تزکیہ کو مؤخر کیا جائے۔ یا تعلیم اور تزکیہ ہی کو ترجیح دی جائے

اور دعوت سے صرف نظر کیا جائے۔ اس طرح سوچنے کی کوئی گنجائش قرآن حکیم نے نہیں رکھی تھی۔ تینوں ہی کو فرائض منصبی قرار دیا تھا۔ تو اب سیرت پر نظر ڈال کر یہ دیکھنے کی اور اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں امور کے بارے میں کیا فکر کی اور کیا محنت کی۔ اس کے لئے مسجد نبویؐ کے اعمال ومشاغل کو سمجھنا پڑیگا۔ ذیل میں انہیں امور کی بارے میں عرض کیا جارہا ہے۔

دعوتی سرگرمیاں

مدینہ میں دو طرح کی ذمہ داریاں تھیں جن کو پورا کرنا ضروری تھا۔ ایک تو لوگوں کو دین اسلام اور خدا کی طرف بلانا اور ایمان لانے کی دعوت دینا۔ دوسرے جو لوگ ایمان لے آئیں ان کی تعلیم وتربیت کا نظم بنانا۔

اطراف کے جن قبائل نے ایمان قبول کیا تھا ان کو دینی امور کی تعلیم دینے کے لئے حضور ﷺ نے اپنے اصحاب کو اور وفود کو اطراف میں بھیجنا شروع فرمایا۔ اور جو قبائل دین سیکھنے کے لئے مدینہ آتے تھے ان کے لئے مسجد میں ٹھہرنے کی ایک خاص جگہ مقرر تھی۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں مسجد نبوی میں "ستون وفود" بنا ہے۔

اور جن قبائل نے ابھی ایمان قبول نہیں کیا تھا انہیں دعوت ایمان اور دعوت الی اللہ دینے کے لئے وفود (جماعتیں) بھیجے جاتے تھے۔ جیسے کہ حضرت خالد بن ولید ایک جماعت کے ساتھ یمن میں کئی مہینوں تک محنت کرتے رہے۔

"داعیان اسلام جو اطراف عرب میں بھیجے جاتے تھے ان کو ہدایت کی جاتی تھی کہ لوگوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وطن چھوڑ کر مدینہ میں آجائیں اور یہیں بودوباش اختیار کریں۔ اس کا نام ہجرت تھا۔ اسی بناء پر بیعت کی دو قسمیں کر دی گئی تھیں۔ بیعت اعرابی اور بیعت ہجرت۔ بیعت اعرابی صرف ان بدوؤں کے لئے تھی جن کو کچھ دنوں مدینہ منورہ میں رکھ کر تعلیم دینا مقصود تھا۔ مختصر مشکل الآثار میں روایت

ہے کہ عقبہ جہنی جب اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ بیعت اعرابی کرتے ہو یا بیعت ہجرت۔ اس کے بعد مصنف لکھتا ہے۔

ان البيعة من المهاجر توجب الاقامة عنده (ﷺ) ليصرف فيما يصرفه فيه من امور الاسلام وبخلاف البيعة الاعرابيه

(ہجرت کی بیعت کرنے سے لازم ہوجاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس قیام کرے تاکہ آنحضرت ﷺ ان کو اسلامی امور میں لگائیں۔ اور بیعت اعرابی میں یہ ضروری نہیں۔)

اسی بناء پر عرب کے بہت سے خاندان اپنے گھروں سے ہجرت کرکے مدینہ میں چلے آئے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ آئے تو اسی (۸۰) شخصوں کو لے کر آئے اور مدینہ میں آباد ہوئے۔ خلاصۃ الوفاء سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں جہینہ وغیرہ قبائل کی الگ الگ مسجدیں تھیں۔ یہ وہی قبائل تھے جو ہجرت کرکے مدینہ آگئے تھے اور چونکہ مسجد نبویؐ سب کیلئے کافی نہ تھی اس لئے الگ الگ مسجدیں بن گئی تھیں"

(سیرت النبی جلد دوم ص ۵۶)

اور چونکہ ہر ایک کا آنا ممکن نہیں تھا۔

"اس لئے ضروری قرار دیا گیا کہ ہر جماعت اور ہر قبیلہ میں کچھ ایسے لوگ موجود رہیں جو تعلیم وارشاد کا فرض انجام دے سکیں۔ اسی بناء پر قرآن مجید میں حکم آیا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ○ (سورۂ توبہ، آیت ۱۲۲، پ ۱۱، ع ۴)

اور سب کے سب مسلمان تو سفر کر کے (مدینہ) نہیں آسکتے اس لئے ہر قبیلہ سے ایک

گروہ کو آنا چاہئے تا کہ وہ شریعت (دین) میں تفقہ حاصل کریں اور تا کہ واپس جا کر اپنی قوم کو ڈرائیں شاید یہ لوگ بری باتوں سے بچیں۔" (سیرۃ النبی جلد دوم ص ۵۵)

(اس لئے) "عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تھا اور آپؐ سے مذہبی امور دریافت کرتا تھا اور دین میں تفقہ حاصل کرتا تھا۔" (سیرۃ النبی دوم ص ۵۶)

دعوتی سرگرمیوں کا ایک جائزہ

مسجد نبویؐ کی ان دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہوئے حضرت مولانا محمد یوسفؒ فرماتے ہیں ــــــ

حضورؐ نے مدینہ والوں کو کمائی کی چھٹی دینے کے بجائے محنت میں لگا کر دین کی محنت کا ایک نقشہ قائم کیا اور ــــــ

"مدینہ پاک کے دس سال کے قیام میں ڈیڑھ سو جماعتیں نکالیں جن میں سے ۲۵ سفروں میں آپؐ خود تشریف لے گئے۔ کسی میں دس ہزار آدمی نکلے، کسی میں پچاس ہزار نکلے، کسی میں ۳۰ یا ۴۰ ہزار نکلے، کسی میں ۳۱۳ نکلے، کسی میں دس کسی میں پندرہ، کسی میں سات یا آٹھ نکلے۔ مدت کے اعتبار سے کسی میں دو ماہ خرچ ہوئے کسی میں تین ماہ، کسی میں بیس دن کسی میں پندرہ دن خرچ ہوئے۔ بقیہ جو سوا سو جماعتیں نکالیں ان میں بھی ہزار نکلے۔ پانچ سو اور چھ سو بھی کم وبیش سب طرح نکلتے رہے۔ مدت بھی چھ ماہ چار ماہ سب طرح کا وقت لگا۔ اب حساب لگاؤ کہ ہر آدمی کے حصے میں باہر گزارنے کا کتنا وقت پڑا اور سال میں کتنے سفر کئے۔ اگر سب سفروں کو جوڑ کر تخمینہ کرو گے تو سال میں چھ ماہ یا سات ماہ ہر آدمی کے حصہ میں آئیں گے۔ اب اس نقل وحرکت کی کوشش سے مختلف مقامات کے انسانوں کو مدینہ آنے کی دعوتیں ملیں کہ

اسلام مدینہ میں آ کر سیکھو۔ چونکہ اسلامی زندگی ماحول سے آئے گی۔ اس زندگی کا ماحول صرف مدینہ میں تھا۔ تو باہر نکلنے والوں کو مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں باہر سے آنے والوں کو دین سکھانا پڑتا تھا۔ پھر مدینہ والوں کو اپنے لئے بھی علم حاصل کرنے کے لئے وقت نکالنا پڑتا تھا۔ مدینہ میں قیام کے زمانہ میں مسجدوں کے لئے وقت مانگا جاتا تھا تا کہ سیکھنے سکھانے کا نظام مسجدوں میں قائم رہے۔ اور آنے والوں کو سنبھالا جا سکے۔ جب ان لوگوں نے روزانہ کی زندگی ایسی بنائی کہ اگر دو آدمیوں نے مل کر تجارت شروع کی تو باری لگائی ایک ایک دن کی۔ کوئی کسی وقت کوئی کسی وقت کوئی کما کر پہنچ جاتا کوئی شام کو پہنچتا اور رات کو رہتا، عشاء بعد سے عبادت میں لگا رہتا۔ پھر سوتا۔ کچھ عشاء پڑھتے ہی سو جاتے اور پچھلے وقت میں تہجد ادا کرتے۔ اس طرح چوبیس گھنٹے مسجد میں مقامی مسلمان موجود رہتے۔ اب جو باہر سے جس وقت پہنچتے آدمی مسجد میں ان کو سنبھالنے کو موجود ملتے۔ کبھی تعلیم کے حلقے ہو رہے ہیں تو آنے والوں کو اس میں بٹھاتے۔ نماز ہو رہی ہے تو اس میں شامل کر رہے ہیں۔ ذکر واذکار جس وقت ہو رہا ہے اس میں جوڑ رہے ہیں۔ اس طرح آنے والے بھی اپنے کو خالی کسی وقت نہیں سمجھیں گے۔ اب حساب لگاؤ چھ سات ماہ تو باہر خرچ ہوئے مسجدوں کی باری میں بھی دو ڈھائی ماہ نکل گئے۔"

(تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۱۴۲-۱۴۳)

نظامِ تعلیم

"تعلیم وارشاد کے مختلف طریقے تھے۔ ایک یہ کہ دس بیس دن یا مہینہ دو مہینہ رہ کر عقائد اور فقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے

تھے اور اپنے قبائل میں واپس جاتے تھے اوان کو تعلیم دیتے تھے۔ مثلاً مالکؓ بن الحویرث جب سفارت لے کر آئے تو بیس دن قیام کیا اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی۔ جب چلنے لگے تو آپؐ نے فرمایا

"ارجعوا الیٰ اھلیکم فعلموھم وامروھم وصلوا کما رایتمونی اصلی

(اپنے خاندان میں واپس جاؤ۔ ان میں رہ کر ان کو اوامر شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح نماز پڑھو۔)" (سیرت النبی جلد دوم ص ۵۶)

"دوسرا مستقل طریقہ درس کا تھا۔ یعنی لوگ مستقل طریقہ سے مدینہ میں رہتے تھے اور عقائد شریعت اور اخلاق کی تعلیم پاتے تھے۔ ان کے لئے صفہ خاص درسگاہ تھی۔ اور اس میں زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے جو تمام دنیاوی تعلقات سے آزاد ہو کر شب و روز زہد و عبادت اور زیادہ تر خدمت علم میں مصروف رہتے تھے۔

مشکوٰۃ کتاب العلم میں روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے۔ اس وقت مسجد میں دو حلقے تھے۔ حلقۂ ذکر اور حلقۂ درس۔ آنحضرت ﷺ حلقۂ درس میں جا کر بیٹھ گئے۔ اس وقت کی اصطلاح میں ان طالبانِ علم کو "قرا" کہتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہر جگہ یہی نام آتا ہے۔....... ارباب سیر نے لکھا ہے کہ ان لوگوں میں سے جب کوئی شادی کر لیتا تھا تو اس جماعت سے نکل جاتا تھا اور ان کے بجائے دوسرے لوگ داخل ہوتے تھے۔

اصحاب صفہ اگرچہ اس قدر مفلس و نادار تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہیں ہوتا تھا، جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنوں تک

چھوڑ دیتے تھے کہ چادر اور تہمد دونوں کا کام دیتا تھا۔ تاہم یہ لوگ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ جنگل میں جا کر لکڑیاں چن لاتے تھے۔ اور ان کو بیچ کر آدھا خیرات کر دیتے تھے اور آدھا خوانِ طریقت میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس بناء پر تعلیم اور درس کا وقت رات کو مقرر کیا گیا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درسگاہ کے معلمین میں حضرت عبادہ بن الصامت بھی تھے جو مشہور صاحب علم تھے۔ اور جن کو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں تعلیمِ فقہ و قرآن کے لئے فسلطین بھیجا تھا۔......

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ درسگاہِ صفہ کے علاوہ اور بھی کوئی جگہ تھی جہاں اصحابِ صفہ رات کو تعلیم پاتے تھے۔ مسند ابن حنبل (جلد سوم ص ۱۳۷۷) میں ہے۔

عن انس کانوا سبعین فکانوا اذاجھنم اللیل انطلقوا الیٰ معلم لھم بالمدینۃ فیدرسون اللیل حتیٰ یصبحوا

(حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اصحابِ صفہ میں سے ستر شخص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک درس میں مشغول رہتے تھے۔)

تحریر و کتابت

عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا۔ لیکن اسلام آیا تو تحریر و کتابت کا فن بھی گویا ساتھ لے کر آیا۔ سب سے بڑی ضرورت قرآن مجید میں ضبط و تدوین کی تھی۔ اس بناء پر آنحضرت ﷺ نے شروع ہی سے کتابت کی ترویج کی طرف توجہ فرمائی۔ جنگِ بدر کے ذکر میں گذر چکا ہے کہ اسیرانِ جنگ میں سے جو لوگ فدیہ نہیں ادا کر سکے ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ مدینہ میں رہ کر لوگوں کو لکھنا سکھا دیں۔ ابوداؤد کی مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحابِ صفہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس

میں لکھنا بھی داخل تھا۔ چنانچہ حضرت عبادہؓ قرآن مجید کے ساتھ لکھنے کی بھی تعلیم دیتے تھے۔" (سیرت النبی جلد دوم ص ۵۸-۵۷)

دین کی محنت کی مختلف قسمیں ہیں ۔جماعتوں کی چلت پھرت ہے، مدرسوں کی تعلیم ہے وعظ وارشاد ہے اور تصنیف وتالیف ہے۔ جس وقت جس چیز کی ضرورت ہوگی اس کے ذریعہ دعوت دی جائے گی اور محنت کی جائے گی۔ اس موقع پر حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے ایک ارشاد کو یہاں نقل کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

ایک نیاز مند سے (جن کو مولانا کے تبلیغی کام سے بھی تعلق تھا اور اس کے علاوہ تحریر وتصنیف ان کا خاص مشغلہ تھا) ایک دن فرمایا:-

"میں اب تک اس کو پسند نہیں کرتا تھا کہ اس تبلیغی کام کے سلسلہ میں کچھ زیادہ لکھا پڑھا جائے اور تحریر کے ذریعہ اس کی دعوت دی جائے، بلکہ میں اس کو منع کرتا رہا ـــــ لیکن اب میں کہتا ہوں کہ لکھا جائے اور تم بھی خوب لکھو"۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص ۱۱۴)

"آنحضرت ﷺ کی تعلیم وتلقین کا فیض اگرچہ سفر، حضر، جلوت، خلوت، نشست، برخاست، غرض ہر وقت جاری رہتا تھا تاہم اس سے وہی لوگ مستفیض ہوسکتے تھے جو اتفاق سے موقع پر ہوتے تھے۔ اس بناء پر آپؐ نے تعلیم وارشاد کے لئے بعض اوقات خاص کردیئے تھے کہ لوگ پہلے سے مطلع رہیں اور جن کو استفادہ منظور ہو، وہ آسکیں۔

یہ صحبتیں عموماً مسجد نبویؐ میں منعقد ہوتی تھیں۔ مسجد نبویؐ میں ایک چھوٹا سا صحن تھا۔ کبھی آپؐ وہاں نشست فرماتے۔ ابتداءً آنحضرت ﷺ کی نشست کے لئے کوئی ممتاز جگہ نہ تھی۔ باہر سے اجنبی لوگ آتے تو آپ کو پہچاننے میں دقت ہوتی۔ صحابہؓ نے ایک چھوٹا سا مٹی کا چبوترہ بنادیا۔ آپؐ اس پر تشریف رکھتے۔ باقی دونوں طرف صحابہ حلقہ باندھ کر

بیٹھ جاتے۔(ابوداؤد باب القدر)"۔ (سیرت النبی دوم ص ۱۳۸)

"اس قسم کی مجالس کے لئے جو خاص وقت مقرر تھا وہ صبح کا تھا۔ نماز فجر کے بعد آپؐ بیٹھ جاتے اور فیوضِ روحانی کا سرچشمہ جاری ہوجاتا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے بعد آپ ٹھہر جاتے اور مجلس قائم ہوجاتی۔ (سیرۃ النبی جلد دوم ص ۱۳۹)

مسجد نبویؐ میں ذکر اور تعلیم کے حلقے لگتے تھے۔ ان حلقوں میں تشریف فرما ہوکر حضورؐ ذکر اور نماز سکھاتے۔

"ایک روز آپ مسجد میں تشریف لائے۔ صحابہؓ کے دو حلقے قائم تھے۔ ایک قرآن خوانی اور ذکر ودعا میں مشغول تھا اور دوسرے حلقہ میں علمی باتیں ہورہی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا دونوں عمل خیر کررہے ہیں۔ لیکن خدا نے مجھ کو صرف معلم بنا کر مبعوث کیا ہے۔ یہ کہہ کر علمی حلقہ میں بیٹھ گئے۔" (سیرۃ النبی دوم ص ۱۴۱)

"حکم بن عمیرؓ نے بیان کیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ ہم کو تعلیم دیتے تھے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتو الله اکبر کہو اور اپنے ہاتھوں کو اٹھاؤ اور کانوں سے اوپر تجاوز نہ کرو۔ اور کہو

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ
وَتَعَالیٰ جَدُّکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ (حیات الصحابہ سوم ص ۱۹۷)

"حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول الله ﷺ ہم کو تشہد کی تعلیم دیتے تھے جس طرح پر کہ ہم کو قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عبدالله بن مسعودؓ نے فرمایا مجھ کو حضورؐ نے تشہد سکھایا، میری ہتھیلی آپؐ کے دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی جس طرح پر کہ مجھے قرآن کی سورتوں کی تعلیم دیتے تھے۔ اس کے بعد تشہد کا تذکرہ کیا۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ آپ ؐ ہم کو فواتح الکلم یا جوامع الکلم اور فواتح الکلم کی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ہم کو نماز کا خطبہ اور خطبۂ حاجت کی تعلیم دی پھر تشہد کا تذکرہ کیا۔" (حیات الصحابہ سوم ص ١٩٨)

"حضرت سعد بن جنادہؓ نے فرمایا ——— میں اہلِ طائف میں سے وہ پہلا آدمی ہوں جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چنانچہ میں طائف کے بالائی حصہ سے علی الصباح چلا، میں منیٰ میں عصر کے قریب پہنچا۔ پہاڑ میں چڑھا پھر اترا اور آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام لایا۔ حضورؐ نے مجھے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور اِذَا زُلْزِلَتْ کی تعیم دی۔ اور یہ کلمات مجھے سکھائے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اور فرمایا یہ وہ بھلے کلمات ہیں جو باقی رہ جائیں گے۔"

(حیات الصحابہ سوم ٢٠٠-١٩٩)

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی نبی ؐ کی اتباع میں انہیں اعمال ذکر میں اور تعلیم وتعلّم میں مشغول رہتے۔

"حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ ہم کو ممبر پر (بیٹھ کر) اسی طرح التحیات سکھاتے تھے جس طرح کہ استاد مکتب میں لڑکوں کو سکھاتا ہے ——— حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے اور انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو التحیات سکھائی اور یقین سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑا تھ اور ان کو التحیات سکھائی تھی۔ " التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوٰةُ الطَّيِّبٰتُ الْمُبَارَكَةُ لِلّٰهِ " ——— عبد الرحمٰن بن عبد القاری کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے سنا اور حضرت عمرؓ ممبر پر تشریف فرما تھے وہ لوگوں کو تشہد سکھا رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہو اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ پس پہلی جیسی حدیث بیان کی۔"

(حیاۃ الصحابہ سوم ص ٩٨-١٩٧)

ان حلقوں میں چھوٹی سی چھوٹی بات کی بھی اصلاح کی جاتی تھی۔

"اسودؓ نے کہا کہ حضرت عبد اللہؓ ہم کو التحیات کی اسی طرح پر تعلیم دیتے تھے جس طرح کہ ہم کو قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ ہم لوگوں کی گرفت الف اور واو (تک) پر کرتے تھے۔" (حیاۃ الصحابہ سوم ص ١٩٨)

سکھائے جانے والے اعمال اور باتوں کی ان حلقوں میں تکرار ہوتی تھی تا کہ بات صحیح طرح سے دل میں جم جائے۔

"حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے۔ (راوی کہتے ہیں) بہت قریب ہے یہ کہ حضرت انسؓ نے کہا کہ ساٹھ آدمی تھے۔ آپ ؐ ہم سے حدیث بیان کرتے پھر اپنی حاجت کیلئے اندر تشریف لے جاتے تو ہم آپس میں اس حدیث کی یکے بعد دیگرے تکرار کرتے۔ جب ہم کھڑے ہوتے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ حدیث ہمارے دلوں میں گاڑ دی گئی ہے۔" (حیات الصحابہ سوم ٢٢٨)

تزکیہ واحسان

مندرجہ بالا تحریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایمان قبول کرنے والے قبائل کی تعلیم کے لئے صرف معلمین ہی روانہ نہیں کئے جاتے تھے بلکہ اہتمام کے ساتھ بیعت اعرابی و بیعتِ ہجرت کے عنوان پر مدینہ بلایا جاتا تھا۔ مقصود یہ تھ کہ انہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضِ صحبت حاصل ہو جائے۔ اور اہلِ نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ صحبت کے ذریعہ جو تربیت اور نفوس کا تزکیہ ہوتا ہے وہ زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز اور دیرپا ہوتا ہے۔

اسی لئے جیسے کے پہلے ذکر آیا ہے ہر ایک کو مدینہ آنے کی دعوت دی جاتی تھی مولانا محمد یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ———

''..........جتنا کام ہوا تمام کا تمام مدینہ کی بستی سے ہوا۔ جہاں بھی کوئی ایمان لاتا اسے مدینہ بلالیا جاتا، تو مدینہ ایک بستی بن گیا جہاں لوگ، خاندان اور برادریاں چھوڑ کر آ کر بستے رہے........مدینہ والوں کو ان کے رہنے کھانے پینے کا انتظام کرنا پڑتا۔ اب یہ ایسی بستی بن گئی جہاں مہاجر اور مقامی برابر ہو گئے۔''

(تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۱۴۱)

''چونکہ مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو نہ صرف شریعت کے اوامر و نواہی سے واقف ہو بلکہ شب و روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے سے تمام تر اسلامی رنگ میں ڈوب جائے۔ جس کی گفتار، کردار، بات چیت، نشست و برخاست، قول و عمل، ایک ایک چیز تعلیم نبویؐ کے پرتو سے منور ہو جائے تاکہ وہ تمام ملک کے لئے اسوۂ حسنہ اور نمونۂ عمل بن سکے۔ اس لئے ہر قبیلہ سے ایک جماعت آتی تھی اور آپؐ کی خدمت میں رہ کر تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتی تھی۔'' (سیرۃ النبی جلد دوم ص ۵۶)

عمومی تعلیم کا وہ نقشہ جو اوپر کی سطور میں ''نظام تعلیم'' کے زیر عنوان آ گیا ہے، اس کے علاوہ تصفیہ قلوب اور تزکیہ نفوس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاص اہتمام فرماتے تھے۔ جس کے بارے میں صاحب سیرۃ النبی تحریر فرماتے ہیں ——

''نماز کے بعد جو مجلس منعقد ہوتی اس میں وعظ و نصیحت اور اس قسم کی جزئی باتوں پر گفتگو ہوتی تھی۔ لیکن ان اوقات کے علاوہ آپؐ خاص طور پر حقائق اور معارف کے ظہار کے لئے مجالس منعقد فرماتے تھے یہی مجالس ہیں جن کی نسبت احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

کان یوماً بارزاً للناس (سنن ابن ماجہ ص ۲۲)

(آنحضرت ﷺ ایک دن عام طور پر لوگوں کے لئے باہر نکلتے تھے)''

(سیرۃ النبی جلد دوم ص ۱۳۹-۱۴۰)

ان مخصوص مجالس میں آپؐ ایسا بلیغ وعظ فرماتے کہ قلوب متاثر ہو جاتے۔

''ابوداؤد میں عرباضؓ بن ساریہ سے روایت ہے۔

وعظنا رسول اللہ ﷺ یوما بعد صلوٰۃ الغداۃ موعظۃ بلیغۃ ذرفت منها العیون ووجلت منها القلوب

(رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز کے بعد ایک بلیغ وعظ کہا جس سے آنکھیں اشک ریز ہو گئیں اور دل کانپ اٹھے۔)''

(سیرۃ النبی جلد دوم ص ۱۳۹)

ذکر کا اہتمام

''نظام تعلیم'' کے ضمن میں امور دینیہ کی تعلیم کا ذکر آیا ہے۔ انہیں تعلیمی حلقوں میں ذکر اور ذکر کے کلمات بھی سکھائے جاتے تھے۔

''حضرت سعد بن جنادہؓ نے فرمایا —— میں اہل طائف میں سے وہ پہلا آدمی ہوں جو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چنانچہ میں طائف کے بالائی حصہ سے علی الصباح چلا، میں منیٰ میں عصر کے قریب پہنچا۔ پہاڑ میں چڑھا پھر اترا اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام لایا۔ حضورؐ نے مجھے قُلْ ھُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور اِذَا زُلْزِلَتْ کی تعلیم دی۔ اور یہ کلمات مجھے سکھائے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اور فرمایا یہ وہ بھلے کلمات ہیں جو باقی رہ جائیں گے۔''

(حیات الصحابہ سوم ص ۲۰۰-۱۹۹)

''حضرت علیؓ بن ابی طالب نے کہا کہ مجھ سے حضورؐ نے فرمایا میں تجھے پانچ ہزار بکریاں دوں یا تجھے ایسے پانچ کلمات سکھادوں جس میں

تیرے دین و دنیا کی بہبودی ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! پانچ ہزار تو بہت ہیں آپؐ مجھے تو وہ پانچ کلمات سکھا دیجئے آپؐ نے فرمایا کہہ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ خُلُقِیْ وَطَیِّبْ لِیْ کَسْبِیْ، وَقَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَلَا تَذْهَبْ قَلْبِیْ اِلٰی شَیْءٍ صَرَفْتَهٗ عَنِّیْ۔

ترجمہ: اے میرے اللہ! میرے گناہوں کو میرے لئے بخشدے اور مجھے وسعتِ اخلاق عطا فرما، میرے کسب کو حلال طیّب کر دے اور جو کچھ تو مجھے دے اس پر قناعت کرنے والا بنا دے اور میرا دل کسی ایسے طرف نہ جائے جس کو تو نے مجھ سے پھیر دیا ہو۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اپنی بیٹیوں کو ان کلمات کی تعلیم دیتے تھے اور ان کو ان کلمات کا حکم دیتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ یہ کلمات انہوں نے حضرت علیؓ سے حاصل کئے ہیں اور حضرت علیؓ نے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کلمات کو اس وقت کہا کرتے تھے جبکہ آپ کو کسی امر میں بے چینی ہوتی اور وہ بات آپؐ پر سخت ہوتی تھی۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْكَرِیْمُ سُبْحَانَهٗ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

ترجمہ: عبادت کے قابل بجز اس اللہ کے کوئی نہیں جو انتہائی بردبار بڑے کرم والا ہے، اس کے لئے ہر طرح کی پاکی ہے، اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا ہے تمام عالم کا پالنے والا ہے اور بزرگ عرش کا رب ہے اور تمام تعریفیں ایسے اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام عالم کا۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے بیان کیا ہے کہ مجھ سے حضرت علیؓ نے فرمایا، اے میرے بھتیجے! میں تجھ کو ضرور ان کلمات کی تعلیم دوں گا جنکو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، جس نے ان کو اپنی وفات

کے وقت کہا جنت میں داخل ہوگا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْكَرِیْمُ تین مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تین مرتبہ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

ترجمہ: برکت والی ہے وہ ذات، اسی کے قبضے میں تمام ملک ہے وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے اور وہ ہر شئے پر قادر ہے۔"

(حیاۃ الصحابہ جلد سوم ص ۱۹۸-۱۹۹)

حضور ﷺ کی مجلسِ ذکر

"حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں اور حضرت عبادہ بن صامتؓ اس واقعہ میں حاضر تھے وہ اس کی تصدیق کر رہے تھے، فرماتے ہیں کہ:

کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھل فیکم غریب یعنی اھل الکتاب فقلنا لا، یارسول اللہ فأمر بغلق الباب وقال ارفعو ایدیکم وقولو لا الہ الا اللہ فرفعنا ایدینا ساعۃً ثم وضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال الحمد للہ اللھم انک بعثتنی بھذہ الکلمۃ وأمرتنی بھا ووعدتنی علیھا الجنۃ وانک لاتخلف المیعاد ثم قال ابشروا قال اللہ عزوجل قد غفرلکم:

ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی (غیر مسلم) اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں تو آپ ﷺ نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا، اور فرمایا، کہ ہاتھ اٹھاؤ اور کہو لا الہ الا اللہ چنانچہ ہم نے اپنے ہاتھ تھوڑی دیر اٹھائے رکھے (اور کلمہ طیبہ پڑھتے رہے) پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ نیچے کیا، پھر فرمایا کہ: الحمد للہ: اے میرے اللہ تو نے مجھے یہ کلمہ

دیکر بھیجا ہے اور اس کلمہ (کی تبلیغ اور اس کے ورد کرنے) کا حکم دیا ہے اور اس کلمہ پر جنت کا وعدہ کیا ہے اور تو وعدہ خلافی نہیں کرتا اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے بے شک تم لوگوں کی مغفرت کردی (رواہ احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرھما کذا فی الترغیب وقال الھیثمی رواہ احمد فیہ شداد بن داؤد وقد وثقہ غیر واحد وفیہ ضعف وبقیۃ رجالہ ثقات قلت رواہ الحاکم فی المستدرک وقال الذھبی راشد ضعفہ الدار قطنی وغیرہ وثقہ رحیم ،انظر الی حیاۃ الصحابۃ، الجزء الثالث ، ص ۲۵۳، وبلوغ الامانی الجزء الثالث عشر، ص ۲۱۳-۲۱۴، وفضائل الذکر ، ص ۷۳)۔" (ذکر اللہ کے فضائل ومسائل ص ۳۹۷-۳۹۸)

یہ حدیث حیاۃ الصحابہ جلد سوم میں بھی ہے۔ اس حدیث کے فائدے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں ـــــــ

"صوفیہ نے اس حدیث سے مشائخ کا اپنے مریدین کی جماعت کو ذکر تلقین کرنے پر استدلال کیا ہے، چنانچہ جامع الاصول میں لکھا ہے۔ حضور ﷺ کا صحابہ کو جماعۃً اور منفرداً ذکر تلقین کرنا ثابت ہے۔ جماعت کو تلقین کرنے میں اس حدیث کو پیش کیا ہے اس صورت میں کواڑوں کا بند کرنا مستفیدین کی توجہ کے تام کرنے کی غرض سے ہوا اور اسی وجہ سے اجنبی کو دریافت فرمایا کہ غیر کا مجمع میں ہونا حضور ﷺ پر تشتت کا سبب اگرچہ نہ ہو لیکن مستفیدین کے تشتت[1] کا احتمال تو تھا ہی۔"

(فضائل ذکر، ص ۷۴)

"اس حدیث کے تحت علامہ احمد الرحمٰن البناء فرماتے ہیں کہ:

وفیہ دلالۃ علی استحباب رفع الید عند قول لاالہ الا اللہ وجواز قولھا جماعۃ والظاھر ان ھذا اصل اجتماع الناس

[1] تشتت کے معنی ہیں انتشار اور افتراق یعنی توجہ کا دوسری طرف لگ جانا۔

علی الذکر بقول لا الہ الا اللہ، واللہ اعلم :اور اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ لا الہ الا اللہ کہنے کے ساتھ ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ نیز اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اس کلمہ کو اجتماعی طور پر پڑھنا جائز ہے اور ظاہر ہے کہ لوگوں کا اجتماعی طور پر لا الہ الا اللہ پڑھنے کیلئے یہ حدیث اصل ہے بلوغ الامانی، جلد ۳ ص ۲۱۳ تا ۲۱۴۔"

(ذکر اللہ کے فضائل ومسائل ص ۳۹۸)

اس موقع پر اس حدیث کو "نظام خانقاہی" کی بنیاد قرار دینا غلط نہ ہوگا۔

حضرت شیخؒ کا خواب، خانقاہوں کے قیام کے بارے میں:

خانقاہ اور خانقاہی نظام کی اہمیت اور اس کی ضرورت کو سمجھنے کیلئے امید ہے کہ اوپر لکھے گئے مضامین کافی ہونگے۔ ایسے لگتا ہے کہ اب یہ خانقاہی نظام بھی، دعوت وتبلیغ کی اس عظیم محنت کے ذریعہ عام ہوتا جائے گا، جس کی طرف حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے اپنے ملفوظات میں اشارے فرمائے ہیں۔ آخر میں برکت کے طور پر حضرت شیخ الحدیثؒ کی ایک تحریر خانقاہوں کے قیام کے بارے میں نقل کی جارہی ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ اپنا ایک خواب بیان فرماتے ہیں ـــــ

"سید الکونین ﷺ کی مجھے زیارت ہوئی اور حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ زکریا کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق بہت ہو رہا ہے۔ لیکن میرا جی چاہے کہ کچھ اور اس سے کام لیا جائے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اس کو یہاں آنے کا اشتیاق تو بہت ہے۔ مگر میرا بھی یوں جی چاہے کہ اس سے کچھ اور کام لیا جائے۔

حضرت شیخؒ نے فرمایا۔ اس خواب کے بعد میں بہت حیرت میں پڑ گیا کہ میں کسی کام کا نہیں۔ ساری عمر یوں ہی ضائع کی۔ اب کیا کام کر لوں گا۔ اور یہ کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق میں کیا

کروں؟ مگر کچھ دنوں بعد چچا جان کا واقعہ یاد آیا۔ وہ یہ کہ جب چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ) مدینہ منورہ آئے تو ان کا ارادہ یہاں ٹھہر جانے کا ہوا۔ روضۂ اقدس سے ارشاد ہوا کہ ہندوستان جاؤ، تم سے کام لینا ہے۔ چچا جان نے فرمایا کہ میں بہت دنوں تک پریشان رہا کہ بولنا مجھے نہیں آتا، لکھنا مجھے نہیں آتا، میں ضعیف کیا کام کروں گا؟ کچھ دنوں بعد حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے بڑے بھائی مولانا سید احمد صاحب مہاجر مدنیؒ نے جب انہیں پریشان دیکھا تو کہا اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کرو بلکہ تم سے کام لیا جائے گا، لینے والا خود لے لے گا۔ اس کے بعد چچا جان کو اطمینان ہوا، ہندوستان آکر تبلیغی کام شروع ہوا، اور ماشاء اللہ خوب چلا۔ میں نے بھی سوچا کہ یوں نہیں کہا گیا کہ تو کر بلکہ یوں فرمایا گیا ہے کہ کام لیا جائے گا۔ میں سوچتا ہی رہا۔ کچھ دنوں کے بعد خیال ہوا کہ ذکر و شغل کی لائن ٹوٹ گئی ہے۔ ہندوستان، پاکستان کی اکثر خانقاہیں غیر آباد ہوگئی ہیں۔ اس واسطے حضرت گنگوہیؒ کی بھی یہی منشاء ہوگی، ذکر و شغل ان کی خانقاہ کا اہم مشغلہ تھا۔ جب آنکھوں سے معذور ہوگئے تھے تو تعلیم کی جگہ بھی ذکر و شغل نے لے لی۔ اسلئے مجھے ذکر کا اہتمام ہوگیا۔ اور اس بناء پر اپنے معمولات اور معذوری کے باوجود لندن یا پاکستان اور اب افریقہ جہاں جہاں بھی خانقاہ قائم کرنے کا وعدہ ہو، جس حال میں بھی ہوں، پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اللہ کرے یہ کام اللہ کے فضل سے کچھ چل نکلے اور یہی مراد حضرت کی بھی ہو تو کچھ سرخروئی ہو جائے"۔ (تذکرۂ شیخ ص: ١١٧-١١٨۔ بحوالہ مقالۃ القلوب ص ١٢٨، ١٢٩)

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب تیرا فیض ہو عام اے ساقی

رواں دواں، کارواں:

بہر حال تصوف و سلوک کا راستہ وہ راستہ ہے جو ہزاروں سال سے امت میں نورِ یقین پیدا کرنے کا سبب و ذریعہ بنا ہے جس کے بارے میں حضرت نعمانیؒ کی تحریر بالکل شروع میں درج کی گئی ہے کہ ——

"قریباً ہزار سال بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت سے امتِ محمدیہ کے صالح ترین طبقہ نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ نورِ یقین اور رابطہ مع اللہ یعنی 'احسانی نسبت' حاصل کرنے کے لئے صوفیائے کرام کا یہ طریقہ (جس کا نام سلوک و طریقت ہے) اصولاً صحیح اور نتیجتاً کامیاب ہے۔"
(دین و شریعت ص: ٢٣٦)

اور ہمارے تبلیغ کے اکابر ثلٰثہ نے اس لائن سے اپنے دعوت کے کام میں بھی استفادہ کیا ہے اور تصوف کا یہ سلسلہ 'اجازتِ بیعت' اور 'خلافت' کے عنوان سے برابر آگے بڑھتا رہا ہے۔ خود حضرت جی ثالثؒ کے بہت سارے خلفاء و مجازین ہیں۔ اور علاوہ ازیں ہزاروں افراد صاحبِ اجازت ہیں اور حسبِ توفیق بندگانِ خدا کی اس لائن کی خدمت و رہنمائی فرما رہے ہیں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

بنگلہ والی مسجد، امیدوں کا مرکز

جس طرح کہ عرض کیا گیا ہے حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے مسجدِ نبویؐ والی محنت کے نقشہ ہی کو اپنی محنت کے پیشِ نظر رکھا ہے۔ تفصیلات اوپر آگئی ہیں کہ یہاں تعلیم و تعلم کا نظام بھی ہے، اور دعوت و تبلیغ کی سرگرمیاں بھی اور ان سرگرمیوں میں ہمارے اکابرین نے تزکیہ واحسان کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی محنت کی روح اس کو قرار دیا ہے۔ اللہ کرے کہ تا قیامت یہاں سے یہ تینوں محنتیں (تعلیم و تعلم، تزکیہ واحسان اور دعوت) بیک وقت اور ایک ساتھ چلتی رہیں اور ان میں کسی قسم کا تصادم نہ پیدا ہو۔ تینوں شعبوں کی یہ جامعیت ہی امت کی اور عالم کی ہدایت کی ضامن ہوسکتی ہے۔ اور امت میں وحدت اور یگانگت پیدا کرسکتی ہے۔

فہرستِ ماخذ ومراجع - تزکیہ واحسان اور اکابرِ تبلیغ

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	ناشر	ایڈیشن
۱	آپ بیتی ۴	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ	کتب خانہ یحیوی سہارنپور	- -
۲	آپ بیتی ۵	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ	کتب خانہ یحیوی سہارنپور	- -
۳	تاریخ دعوت وعزیمت سوم	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ	۲۰۰۰ء
۴	تاریخ دعوت وعزیمت چہارم	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ	۲۰۰۰ء
۵	تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ ۱۸	۲۰۰۶ء
۶	تذکرہ شیخ	مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی	الفرقان بکڈپو نظیر آباد لکھنؤ ۱۸	- -
۷	تذکرہ مجدد الف ثانیؒ	حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ	الفرقان بکڈپو نظیر آباد لکھنؤ ۱۸	۲۰۰۷ء
۸	حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	الفرقان بکڈپو نظیر آباد لکھنؤ ۱۸	۱۹۷۲ء
۹	حیات الصحابہ سوم	مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ترجمہ مولانا محمد احسان صاحب فیض آبادی	ادارۂ اشاعت دینیات، حضرت نظام الدینؒ، نئی دہلی ۱۳	- -
۱۰	دین وشریعت	حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ	الفرقان بکڈپو نظیر آباد لکھنؤ ۱۸	۲۰۰۵ء
۱۱	ذکر اللہ کے فضائل ومسائل	مولانا سید مفتی مختار الدین کربوغہ شریف	————	- -
۱۲	سوانح حضرت جی - مولانا محمد یوسفؒ	مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری	————	- -
۱۳	سوانح مولانا محمد انعام الحسنؒ اوّل	مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارنپوری	مکتبہ یادگار شیخ، سہارنپور	- -
۱۴	سوانح مولانا محمد انعام الحسنؒ سوم	مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارنپوری	مکتبہ یادگار شیخ، سہارنپور	- -
۱۵	سیرۃ النبیؐ دوم	مولانا سید سلیمان ندویؒ	مکتبہ مدنیہ، اردو بازار لاہور	۱۴۰۸ھ
۱۶	فضائل ذکر	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ	ادارۂ اشاعت دینیات، نئی دہلی ۱۳	- -
۱۷	معارف الحدیث پنجم	حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ	الفرقان بکڈپو نظیر آباد لکھنؤ ۱۸	۱۹۸۴ء
۱۸	معارف القرآن اوّل	مفتی محمد شفیع صاحبؒ	مکتبہ مصطفائیہ، دیوبند	- -
۱۹	مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	کتب خانہ انجمن ترقی اردو دہلی ۶	۱۹۶۲ء
۲۰	ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ	حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ	الفرقان بکڈپو نظیر آباد لکھنؤ ۱۸	۲۰۰۵ء
۲۱	ملفوظات واقتباسات حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ	مفتی روشن شاہ صاحب قاسمی	ادارۂ اشاعت دینیات، نئی دہلی ۱۳	- -